دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
الحق
ماھنامہ
بیاد
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ
بانی دارالعلوم حقانیہ
مدیر
مولانا سمیع الحق

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد ــــ ۳۰
شمارہ ــــ ۱۰
صفر المظفر ــ ۱۴۱۶ھ
جولائی ــ ۱۹۹۵ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

بیاد
حضرۃ مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ
مدیر :۔ عبدالقیوم حقانی

مدیر اعلیٰ
حضرۃ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم ۔ شفیق فاروقی

ایگزیکٹو ایڈیٹر
حافظ راشد الحق سمیع

فون : ۲۴۰، ۴۳۵ کوڈ ۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۱۰۰/- روپے فی پرچہ ۱۰/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۶/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

ملک کا شدید بحران
کراچی کی اندوہناک صورتحال

اس وقت ملک جس شدید بحران سے گزر رہا ہے اور کراچی میں جو اندوہناک صورتحال پیدا ہوئی ہے یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں جو اچانک ملک میں رونما ہو گیا ہے بلکہ یہ فطری نتیجہ ہے ان غیر اسلامی رجحانات اور قوتوں کا جو اس ملک میں عرصہ دراز سے کام کر رہی ہیں یہ وقت اب کسی کو کوسنے اور ایک دوسرے پر الزام لگانے کا نہیں بلکہ اس امر کا جائزہ لینے کا ہے کہ کون سے اسباب اور کوتاہیاں اور پس منظر میں محرکات ہیں جن کی وجہ سے ملک اس مصیبت میں گرفتار ہوا ہے، خدا کرے حکمران، سیاستدان، پی پی پی، ایم کیو ایم اور حزب اختلاف کے رہنما اپنی بے تدبیریاں ہٹ دھرمیاں یکلخت ترک کر دیں اور پس منظر کو سمجھ کر پیش منظر کو سنوارنے پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں ۔
کراچی کے حالات آئے دن اندوہناک ہوتے چلے جا رہے ہیں، حکومت اور ایم کیو ایم مذاکرات اور مسلسل بے اعتمادی اور حالات کا مزید بگاڑ اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم سنجیدگی سے ان اسباب و علل پر غور کریں جنہوں نے یہ حالات پیدا کیے ۔ اور پھر ایسی تدابیر اختیار کریں جن سے اس سرزمین میں انتشار کا بالکل خاتمہ ہو اور دوبارہ قوم کو اس بحران سے کبھی دوچار نہ ہونا پڑے ۔

سب سے پہلے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اولاً مشرقی پاکستان میں اور اب خود بقیہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں علیحدگی پسندی کے یہ تباہ کن رجحانات آناً فاناً تو پیدا نہیں ہو گئے ۔ یہ انتشار پسند قوتوں کی طویل کوششوں کے بالکل فطری نتائج ہیں ۔ ہمیں سب سے پہلے ان قوتوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ یہ قوتیں خارجی بھی ہیں اور داخلی بھی اور ان کی پاکستان دشمنی کے متعدد وجوہ ہیں ۔ جہاں تک خارجی قوتوں کا تعلق ہے ان کے پیش نظر صرف ایک ہی بات ہے کہ دنیا سے اسلام کا نام لینے والوں کو یا تو بالکل مٹا دیا جائے یا انہیں اتنا کمزور بنا دیا جائے کہ وہ کبھی مغربی قوموں کے لیے کسی خطرہ کا باعث نہ بن سکیں ۔ مسلمانوں کے خلاف اس معاندانہ طرزِ فکر کے کچھ تاریخی، کچھ سیاسی اور معاشی اسباب ہیں ۔ تاریخی اسباب میں سب سے نمایاں سبب محارباتِ صلیبی ہیں ۔ دنیا کی عیسائی

تو ہیں خواہ عملی زندگی میں وہ مسیحیت سے کتنی ہی دُور ہوں مگر اُن کے دِل و دماغ میں اسلام دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے ۔ وہ اسلام کو آج بھی دنیا کا سب سے بڑا خطرہ سمجھتی ہیں اس لیے وہ اُسے ہر قیمت پر مٹانا چاہتی ہیں ۔ مشرقِ اوسط کو برباد کرنے کے لیے انہوں نے یہودیوں کو فلسطین میں آباد کیا اور پھر انہیں اتنی قوت فراہم کی کہ وہ آس پاس کے مسلم ممالک کو تباہ کر سکیں ۔ اس نیم براعظم میں یہ قوتیں اپنے اس مذموم مقصد کی تکمیل کے لیے بھارت کو آلۂ کار بنا رہی ہیں ۔ ان کے نزدیک پاکستان کے پیچھے ایسے محرکات موجود ہیں جو کبھی بھی اس ملک کو احیائے اسلام کا گہوارہ بنا سکتے ہیں ۔ اس ملک میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت، اس کے مختلف خطوں کے درمیان اتحاد کے لیے رشتۂ اسلامی کی اہمیت ۔ اردو زبان اور اس کی مذہبی اساس، ملک کے تاریخی پس منظر میں دینی جذبات کا غلبہ، دینِ حق کی سربلندی کے لیے طویل اور مسلسل جدوجہد، الغرض اس ملک کی جڑیں اور اس کی فضا میں ایسے بے شمار عناصر و عوامل موجود ہیں جو کبھی مؤثر قوت بن کر اس ملک کو اللہ کے دین کا حصار بنانے میں مدد ہو سکتے ہیں ۔ اس بنا پر اسلام دشمن طاقتیں اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی ہیں کہ کسی طرح اس کا قلع قمع کر دیا جائے یہودیوں کے توسیع پسند عزائم کو دیکھتے ہوئے صاف نظر آ رہا ہے کہ وہ ایک طرف تو حجاز کی طرف بڑھنے کا عزم رکھتے اور دوسری طرف پاکستان کی طرف حریصانہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں ۔ عرب ممالک کے ساتھ ان کا جو معاملہ ہوا ہے اُس میں انہوں نے یہ محسوس کیا ہے کہ پاکستان میں دینی حمیت کی چنگاری شعلہ جوالہ بن سکتی ہے ، اس بنا پر اُن کے دل میں پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں نفرت و کینہ کی جو آگ پہلے سے سلگ رہی تھی وہ اب شعلہ بن کر بھڑک اٹھی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ دنیائے اسلام کے انہدام کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے پاکستان کے وجود کو ختم کیا جائے ۔

امریکہ، روس، اسرائیل اور برطانیہ کی پاکستان دشمنی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان ممالک کے انتظام و انصرام اور ان کی داخلی اور خارجی پالیسیوں کی تشکیل میں یہودیوں کا بہت زیادہ عمل دخل ہے ۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد میں عیسائیوں کے مقابلہ میں کم ہیں مگر صدیوں کی غلامی کی وجہ سے چونکہ ان کے ذہن غیر معمولی طور پر سازشی ہیں اور ان کے ہاں دولت کی ریل پیل ہے اس لیے ان تمام ممالک میں یہ ایک فیصلہ کن قوت کی حیثیت سے چھائے ہوئے ہیں اور انہیں جس راہ پر چاہتے ہیں لگا لیتے ہیں ۔

امریکہ، روس، اسرائیل اور برطانیہ کی اس یہود نواز پالیسی کے علاوہ خود ان ممالک کے بسنے والوں کا سوچ کا انداز بھی ایسا ہے جس سے دنیائے اسلام کو کسی خیر اور بھلائی کی توقع نہیں ہو سکتی ۔ یہ ممالک ایک خاص تہذیب و تمدن کے علمبردار ہیں جو آہستہ آہستہ دم توڑ رہی ہے ۔ معاشی اور سیاسی ڈھانچوں میں وقتاً فوقتاً

تبدیلی کر کے یہ اس کے انحطاط کو کچھ دیر کے لیے روکنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مگر بس اسی پر یہ تہذیب قائم ہے وہ جلد ہی منہدم ہونے والی ہے۔ اس تہذیب کی تہ میں بعض ایسی خامیاں اور کمزوریاں موجود ہیں جو انسانیت کے لیے سخت مہلک ہیں اور اس کے مسائل کو حل کرنے کے بجائے ان میں مزید الجھنیں پیدا کرتی چلی جاتی ہیں یہ تہذیب اخلاق اور روحانیت کے اس لطیف اور شیریں عنصر سے یکسر محروم ہے جس سے انسان صحیح معنوں میں انسان بنتا اور انسانیت جس کے ذریعے سے حقیقی فوز و فلاح سے ہمکنار ہوتی ہے۔ مغرب کے مفکرین اس حقیقت کو پوری طرح جانتے ہیں۔ پھر اس تہذیب کے نتیجے میں وہاں جو برائیاں پیدا ہوئی ہیں اور ان کے ازالے کے لیے موثر تدابیر اختیار کرنے کے باوجود جن پیہم ناکامیوں کا اہلِ مغرب کو سامنا کرنا پڑا ہے انہیں دیکھتے ہوئے وہاں کے اصحابِ فکر کو اس بات کا یقین ہے کہ اب وہ زیادہ دیر تک دنیا کی غالب قوت بن کر زندہ نہیں رہ سکتے۔ عوام کو اس مایوسی سے بچانے کے لیے وہ ہمیشہ مختلف تدابیر اختیار کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایسے نمائشی کام جو اگرچہ انسانیت کے لیے کسی طرح بھی سود مند نہ ہوں مگر جن سے ان کی قوت و بالادستی کا اظہار ہوتا ہو۔ دوسرے مشرق کی ایسی ساری قوتوں اور تحریکات کو دبانے کی مسلسل کوششیں جو ان کے تہذیبی ڈھانچے کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب اہلِ مغرب اس نقطۂ نظر سے مختلف تمدنوں اور مختلف نظامہائے حیات کا جائزہ لیتے ہیں، تو وہ سب سے زیادہ خطرناک اسلامی تہذیب اور مسلم قوم کو پاتے ہیں۔ اس لیے انہیں ہمیشہ یہ فکر دامنگیر رہتی ہے کہ کسی طرح یہ تہذیب اور یہ قوم ابھرنے نہ پائے۔ مسلم قوم کے مقابلے میں دوسری اقوام اور اسلامی نظامِ حیات کے مقابلے میں دوسرے نظام ہائے حیات ان کیلئے کسی زیادہ تشویش کا باعث نہیں۔ اس لیے وہ ان ساری قوتوں کی ہر طرح سے اعانت کرتے ہیں جن سے مسلمان اسلام سے دور رہیں اور ان کی ملت کا شیرازہ منتشر ہو۔

مسلم کش پالیسی کے خارجی اسباب میں تیسری وجہ معاشی ہے۔ مسلم ممالک مغرب کی استعمار پسند قوتوں کے لیے بہترین شکارگاہیں رہی ہیں اس لیے ان میں سے ہر ایک کی یہی کوشش ہے کہ کسی طرح ان شکارگاہوں پر ان کا مستقل قبضہ رہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد بہت سے مسلم ممالک کی آزادی سے استعماری طاقتوں کے معاشی مفادات کو کافی نقصان پہنچا ہے اور وہ یہ محسوس کرتے لگی ہیں کہ اب ان شکارگاہوں سے وہ حسبِ منشا فائدہ نہیں اٹھا سکتیں۔ چنانچہ وہ اپنے مفادات کی حفاظت اور پاسبانی کے لیے ان پر کسی نہ کسی طرح اپنا تسلط قائم رکھنا چاہتی ہیں۔ اور دوسری عالمگیر جنگ کی وجہ سے ان پر ان کی گرفت جو کچھ ڈھیلی پڑی ہے اسے پھر زیادہ مضبوط بنانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں۔ پاکستان پر بھارت کی طرف سے اور دوسرے ممالک کی طرف سے ہر وقت جو دباؤ ڈالا جا رہا ہے اس کے پیچھے ایک یہ جذبہ بھی کارفرما ہے کہ کسی طرح

ملک کی معیشت تباہ ہو اور یہ مغرب کی استعمار پسند قوموں کے سامنے بے بس ہو کر ہتھیار ڈال دے اور اہلِ پاکستان معاشی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے بجائے ہمیشہ بیرونی طاقتوں کے دست نگر رہیں اور کوئی ایسی معاشی پالیسی اختیار نہ کر سکیں جن سے ان کی معیشت مستحکم ہو۔

خارجی اسباب سے ہٹ کر جب ہم اس خلفشار کے داخلی اسباب پر غور کرتے ہیں تو ہمیں بعض ایسی خامیاں محسوس ہوتی ہیں جن کا یہ بحران طبعی نتیجہ ہے۔ کسی قوم کو متحد رکھنے اور اس کے اندر جوشِ عمل پیدا کرنے اور اس کی صلاحیتوں کو ترقی کی راہ پر لگانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے ہر فرد کا دل کسی ایسے بلند نصب العین کی محبت سے معمور ہو جو اسے زندگی کی حرارت عطا کرے۔ کسی غلام قوم کو آزادی سے پہلے تو بلا شبہ متاعِ آزادی کے نام پر متحرک کیا جا سکتا ہے مگر آزادی کے بعد عام طور پر جدوجہد کا جذبہ اسی وجہ سے سرد پڑ جاتا ہے کہ اس کے قائدین اس کے جوشِ عمل کو برقرار رکھنے کے لیے اس کے سامنے کوئی ایسا حیات آفرین پروگرام پیش نہیں کر سکتے جسے وہ اپنانے کے لیے اپنے اندر تڑپ بھی رکھتی ہو۔ اور جس پر عمل پیرا ہونے سے وہ اپنے اجتماعی مسائل بطریقِ احسن حل کر سکتی ہو۔ دوسری اقوام کے لیے تو یہ مسئلہ واقعی بڑا پریشان کن ہے۔ اُن کے پاس کوئی ایسا نظام نہیں ہوتا جسے وہ آزادی کے بعد فوراً اپنا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر قومیں آزادی حاصل کر لینے کے بعد انتشار کا شکار ہو جاتی ہیں۔ مختلف گروہ اسے مختلف سمتوں میں کھینچتے ہیں اور اس طرح اس کی صلاحیتیں ضائع ہوتی رہتی ہیں مگر خوش قسمتی سے مسلمان اس پریشانی سے اگر چاہیں تو بالکل محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اُن کے پاس اسلام کی صورت میں ایک ایسا انقلاب انگیز اور جامع نظامِ حیات موجود ہے جسے وہ بڑی آسانی کے ساتھ تھوڑی سی محنت صرف کر کے اپنے ہاں کامیابی سے نافذ کر سکتے ہیں۔ پھر اس کے نفاذ میں انہیں کسی قسم کی دقّت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس کا سبب اس نظام سے مسلمانوں کی فطری مناسبت ہے۔ اس قوم نے آزادی کے لیے وقتاً فوقتاً جو جدوجہد کی ہے اس کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ محض سیاسی آزادی کا حصول اس قوم کا کبھی بھی مطمعِ نظر نہیں ہوا۔ اس نے آزادی کو ہمیشہ ایک بڑے مقصد یعنی اسلامی نظام کے احیاء کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اس کے لیے جدوجہد کی۔ ان حالات میں تھوڑی سی کوشش سے کسی مسلم ملک کے اندر اسلام کو ایک غالب قوت بنایا جا سکتا ہے۔ جب کبھی فرد یا قوم کے دل کی پکار اس کے سامنے ایک نظامِ حیات کی صورت اختیار کرے تو اس سے زیادہ اس قوم کے لیے ذہنی اور جذباتی آسودگی اور کیا ہو سکتی ہے۔

مگر اسے خطۂ پاک کی بدقسمتی سمجھیے کہ جس نظام کی عملداری کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا ہے اس نظام کے خلاف اوّل روز ہی سے سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا وسیع سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ اس کام میں دن

لوگ پیش پیش ہیں، جو شومیٔ قسمت سے اس ملک میں پیدا ہو گئے ہیں ورنہ جنہیں اس ملک کی نظریاتی اساس اس کے تہذیبی سرمائے اور اس کی اخلاقی اور روحانی اقدار سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں۔ پھر اس طبقے نے اپنے فرنگی آقاؤں سے قیادت وسیادت کا جو سبق سیکھا ہے وہ قوم کی منشا کے علی الرغم جبر کے ساتھ اپنے نظریات کو ٹھونسنے کا سبق ہے۔ اس طبقے کے سوچنے کا انداز یہ ہے کہ سب سے پہلے کسی طرح حکومت پر قبضہ کر لیا جائے اور پھر حکومت کی قوت کے ذریعہ سے قوم کو اپنے دل پسند سانچوں میں ڈھالنے کیلئے جد و جہد کی جائے۔ یہ طبقہ ہی درحقیقت اس ملک کے انتشار کا اصل ذمہ دار ہے۔ اس میں اتنی ہمت اور طاقت نہیں کہ اپنے نظریات کو عوام میں مقبول بنا کر پھر عوامی تائید سے تختِ اقتدار پر متمکن ہو۔ اس لیے یہ ہمیشہ غلط طریقوں سے ملک میں مؤثر قوت بننے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ جب یہ شریکِ اقتدار ہوتا ہے تو اپنا بیشتر وقت محلاتی سازشوں میں صرف کرتا ہے تاکہ اسے وہاں غیر معمولی اہمیت حاصل رہے اور اگر یہ عوام کے اندر آتا ہے تو ان کے جذبات سے کھیل کر یا دھونس اور دھاندلی کے ذریعہ سے اپنی قوت کا لوہا منواتا ہے۔ پھر چونکہ اس طبقے کو ملکی نظریات کی بہ نسبت غیر ملکی نظریات سے کہیں زیادہ مناسبت ہوتی ہے اس لیے بیرونی طاقتیں اسے ہی اپنے لیے زیادہ مفید اور کار آمد خیال کرتے ہوئے ہمیشہ اس کی معاونت پر آمادہ رہتی ہیں تاکہ اسے ملک کے اندر ایک نمایاں قوت کی حیثیت سے کسی نہ کسی طرح زندہ رکھا جائے۔ ظاہر بات ہے کہ جو طبقہ کسی معاشرے کے لیے جذباتی اعتبار سے اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہو۔ وہ اپنے حفظ و بقا کے لیے خارجی سہاروں کا محتاج ہو گا۔ اس طبقے کو بلند مقام پر فائز رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے منہ میں بعض پُرفریب نعرے ڈالے جائیں جن سے وہ عوام کی توجہ کا مرکز بن سکے۔ اور اسے ایسی عصبیتوں کا علمبردار بنایا جائے جن کی وجہ سے قوم کے بعض عاقبت نا اندیش لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں اور اسے قوت فراہم کریں۔ اس ملک میں جب تک اس طبقے کے زور اور اس کے طلسم کو نہیں توڑا جاتا اس وقت تک اس ملک میں خلفشار کا کبھی مستقل طور پر خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس معاشرے میں اسلامی احساسات و جذبات سے بیگانہ طبقوں کو من مانی کارروائیاں کرنے کی آزادی حاصل رہے گی اس وقت تک کسی صحت مند تبدیلی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

اس انتشار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس ملک کے بعض مفاد پرست طبقوں نے اسلام جیسے مقدس اور ارفع و اعلیٰ نظامِ حیات کو بازیچۂ اطفال بنا کر رکھ دیا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اسلام اللہ کا قابلِ اتباع دین نہیں بلکہ عوام کو بیوقوف بنانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ ان مفاد پرستوں کے اسلام کے ساتھ اس شرمناک مذاق کی وجہ سے لوگ آہستہ آہستہ اس دین ہی سے بدظن ہوتے چلے جا رہے ہیں اور نئی نسلوں میں سے ایک اچھا خاصا طبقہ اس

غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے کہ اسلام محض عوام کے جذبات سے کھیلنے کی چیز ہے ۔ جب کسی مقدس نظام کے بارے میں لوگوں کے یہ جذبات ہو جائیں تو فطری طور پر اس کی اثر آفرینی میں کمی آجاتی ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اسلام جس کے لیے مسلمان سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے اب وہ اس کے لیے چند مادی مفادات کی قربانی دینے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے ۔ وہ اسے فریب دہی کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ یہ اس مفاد پرست طبقے کا اس ملک پر عظیم ظلم ہے کہ اس نے اپنی مذموم کارروائیوں کی وجہ سے اسلام جیسے بلند نصب العین سے لوگوں کو برگشتہ کر دیا ہے اسلام ہی اس ملک میں وہ واحد مقناطیسی کشش ہے جس کی مدد سے اس ملک کے مختلف طبقوں اور گروہوں کو ایک دوسرے سے متحد کیا جا سکتا ہے اور جب اس کشش کا اثر ہی زائل ہو گیا تو پھر اس سے بوقت ضرورت کسی معجزے کی توقع رکھنا محض خود فریبی ہے ۔

پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کے مختلف حصوں کے مابین سوائے اسلام کے رشتے کے اور کوئی دوسرا ایسا رشتہ موجود نہیں جو انہیں ایک دوسرے سے جوڑ سکے ، اس کے تمام خطوں میں رہنے والوں کے درمیان کوئی چیز قدرِ مشترک کی حیثیت نہیں رکھتی ان کی زبانیں ایک دوسرے سے الگ ، ان کے اطوار ایک دوسرے سے جدا ، ان کے رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔ پھر یہ وسیع اختلاف صرف کسی ایک صوبے تک محدود نہیں ، بلکہ پاکستان جن علاقوں پر محیط ہے وہاں کے رہنے والوں میں بھی ماسوائے اسلام کی مقناطیسی قوت کے کوئی دوسری ایسی قوت موجود نہیں جو ان مائل بہ انتشار اجزا کو ایک دوسرے سے وابستہ رکھ سکے ۔ ان حالات میں اگر کوئی گروہ اسلام کے مقابلے میں علاقائی مفادات اور علاقائی تعصبات ابھارنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ پاکستان کو مسمار کر دیتا ہے کیونکہ اسلام کے بغیر پاکستان کو کوئی دوسری قوت متحد نہیں رکھ سکتی ۔

دنیا کی ساری اسلام دشمن طاقتیں پاکستان کی اس مخصوص صورتِ حال سے واقف ہیں ، اس لیے وہ اس کا مشرقی بازو کاٹنے میں کامیاب ہو گئے اور اب اس کے مزید ٹکڑے کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں ۔ پھر انہیں اس بات کا بھی واضح شعور ہے کہ یہ ملک صرف اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا اور یہ اسلام کے دیئے ہوئے تصورِ قومیت کا عملی اظہار ہے اس لیے وہ شروع ہی سے اس کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اور اسے برباد کرنے پر ادھار کھائے بیٹھی ہیں ۔ اسے وہ خلافتِ عثمانیہ کی طرح اسلام کا آخری حصار تصور کرتی ہیں اور اس بات کا پختہ یقین رکھتی ہیں کہ اگر وہ اسے مسمار کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ بالکل منتشر ہو کر رہ جائے گا ۔ ان ناپاک مقاصد کی خاطر یہ طاقتیں شروع ہی سے اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف چلی آ رہی ہیں ۔ کہیں تو اسلام کے نام پر مغربی افکار و نظریات کو پروان چڑھانے کے لیے جدوجہد کی جا رہی ہے ۔ کہیں معاشی عدل وانصاف کے پردے میں الحاد کا پرچار کیا جا رہا ہے اور کہیں مادی مفادات کے نام پر علاقائی تعصبات کو ابھار

کہ پاکستان کے اندر چھوٹی چھوٹی قومیتوں کو جنم دیا جا رہا ہے۔ ان سب کا مقصد ایک ہی ہے کہ کسی طرح یہاں کے عوام اسلام سے برگشتہ ہو کر، جو ان کی قوت کا اصل سرچشمہ ہے، خود اپنی بربادی کا سامان فراہم کریں۔ مختلف علاقوں میں رہنے والوں کے درمیان ایک دوسرے سے عداوت اور نفرت کے رجحانات اچانک تو پیدا نہیں ہو گئے بلکہ یہ سب کچھ ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت گذشتہ ۲۶ برس سے مسلسل کیا جا رہا ہے اور آج حالت یہاں تک پہنچی ہے کہ وہ قوم جس نے کبھی رنگ، وطن، نسل اور زبان کے بتوں کو پاش پاش کر کے صرف خدا پرستی کی بنیاد پر اپنی قومیت کا قصر تعمیر کیا تھا۔ آج ان چھوٹے بتوں کی پرستش پر آمادہ نظر آتی ہے، وہ قوم جو کبھی دنیا کے سارے مسلمانوں کو ایک ہی رشتہ "اخوت" میں منسلک سمجھ کر ان سب کے بارے میں بھائی چارے کے جذبات رکھتی تھی آج چھوٹے چھوٹے مفادات کی بنیاد پر مختلف قومیتوں میں بٹنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ اسے مادی مفادات کی محبت نے زندگی کی اعلیٰ اور ارفع قدروں سے یکسر غافل کر دیا ہے اور ایک کلمہ گو مسلمان دوسرے کلمہ گو مسلمان کا محض اس وجہ سے گلا کاٹنے میں مصروف ہے کہ ان دونوں کا تعلق ملک کے مختلف خطوں سے ہے۔ اس اندوہناک صورتِ حال پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔

ملک کو متحد رکھنے کے لیے اس وقت جو کوشش بھی کی جائے وہ قابلِ ستائش ہے کیونکہ اسلام دشمن طاقتیں تو منہ کھولے اس انتظار میں بیٹھی ہیں کہ کب یہ ملک پارہ پارہ ہو کر ان کے لیے تر نوالہ بن جائے تاکہ وہ اسے آسانی سے نگل سکیں۔ مشرقی پاکستان کے بعد دوسری منزل پر اب کراچی کو پاکستان سے الگ کرنا چاہتی ہیں کیونکہ اس منزل پر اگر وہ کامیاب ہو جائیں تو اس ملک کے مزید حصے بخرے کرنے میں انہیں کوئی خاص دقت نہ ہو گی کیونکہ جن مادی مفادات اور جن رنجشوں اور دل کی جن کدورتوں کی بنا پر وہ کراچی اور دوسرے خطوں کے مابین افتراق پیدا کریں گی ان کی بنیاد پر ہی وہ پھر تمام ملک میں انتشار کے بیج بونے میں کامیاب ہوں گی۔ خدا سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے ان منصوبوں کو ناکام بنائے اور اس ملک کی قیادت کو اخلاص اور عقل و تدبر عطا فرمائے اور عوام کو ان مصائب سے بچائے جن کا اس خلفشار کے نتیجے میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ہم اس ملک کے ہر دردمند شہری سے اس بات کی اپیل کرتے ہیں کہ وہ خدارا اس عظیم نصیحت کی صحیح قدر کو پہچاننے کی کوشش کرے جس کی وجہ سے ان کے اندر کسی پائیدار اتحاد کی بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے۔ اسلام کے بغیر پاکستان کا تصور خوابِ پریشان سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

عبدالقیوم حقانی

جناب شیخ عبدالرحمٰن صاحب

قرآن کریم میں سجع اور فواصل کا تناسب

نظم و ترتیب کے لحاظ سے کلام کی تین قسمیں ہیں۔ شعر، سجع اور کلام مرسل بالفاظ دیگر کلام کی اپنے نظم کے اعتبار سے دو اساسی قسمیں ہیں؛ شعر اور نثر، پھر نثر کی دو قسمیں ہیں، سجع اور کلام مرسل۔

شعر نثر سے (مع اس کی دونوں ذیلی قسموں کے) اپنے خاص اوزان، اپنی بحروں اور اپنی معروف تفاعیل کے ذریعہ ممتاز ہوتا ہے۔ رہا سجع تو وہ اپنی قافیہ بندی کی وجہ سے نثر غیر مسجع سے منفرد ہے، مقفیٰ اور مسجع کلام کا اپنا ایک مستقل وجود ہے جو شعر سے مختلف ہے کیوں کہ شعر کے ترکیبی اجزاء اور لوازمات اس کی راہ میں آڑے آتے ہیں اور یہ ترکیبی اجزاء وہ اوزان اور معروف بحریں ہیں جن کے اوپر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

مسجع کلام کی قافیہ بندی شعر کی قافیہ بندی سے مشابہ ہوتی ہے ایک شعر کے مقابلہ میں اس میں کمی یہ ہوتی ہے کہ یہ وزن کا پابند نہیں ہوتا۔ رہا غیر مسجع کلام مسجع تو وہ وزن اور قافیہ بندی دونوں ہی سے آزاد ہوتا ہے۔

قرآن کریم ایک عربی کلام ہے جو اُن انواع کے دائرے سے خارج نہیں ہو سکتا اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ قرآن اُن تمام ہی انواع سے یکسر خالی ہے۔ رہا یہ سوال کہ اُن انواع میں سے قرآن کریم کے اسلوب کا تعلق کس نوع سے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں ہے اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ اس کے کسی جزو کو شعر سے تعبیر کیا جائے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ کہنا بھی درست نہیں کہ قرآن کریم قافیہ بندی سے یکسر خالی ہے۔ اور اس کے اندر نثر مسجع کی جھلک بھی نہیں، کیوں کہ اگر یہ مان لیا جائے تو اُن بے شمار آیتوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو مختلف چھوٹی بڑی سورتوں میں پائی جاتی ہیں اور متناسب فواصل پر ختم ہوتی ہیں اور سجع کی قافیہ بندی سے ذرا بھی مختلف نہیں ہیں؟

چنانچہ جس طرح یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن نہ تو شعر ہے اور نہ ہی اس میں شعر کے وزن پر کوئی بات کہنے کی کوشش کی گئی ہے اسی طرح اس بات میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ قرآن کی بیشتر سورتیں ایسی آیات پر مشتمل ہیں جن میں مکمل طور پر یا ان کے بیشتر حصہ میں فواصل کی مناسبت پائی جاتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ سوائے

ان سورتوں اور آیات کے جن کے فواصل باہم دگر مناسب ہیں قرآن مجید کا عام اسلوب کلام مرسل ہے
قرآن کے فواصل بعض مقامات پر تو ایک ہی نوع کے ہوتے ہیں اور بعض مقامات پر مختلف انواع پر مشتمل ہوتے ہیں ۔

۱۔ مثال کے طور پر سورۃ "الضحٰی" (وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى ۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى) جو مختصر سورتوں میں سے ہے اور جس کی بیشتر آیات "الف" کے فاصلہ پر مبنی ہیں ۔

۲۔ اسی طرح سورہ "طٰہٰ" جو کہ طوال و قصار کے مابین ہے اس کی اکثر آیات فاصلہ الف پر ختم ہوتی ہیں (طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى ۔ إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۔ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى)

اسی سورہ کا ایک ٹکڑا ہے (انا قد أوحی إلینا ان العذاب علی من کذب وتولّٰی ۔ قال فمن ربکما یا موسی ۔ قال ربنا الذی اعطی کل شیئ خلقہ ثم ھدی ۔ قال فما بال القرون الاولی ۔ قال علمھا عند ربّی فی کتاب لا یضلّ ربی ولا ینسی)

اور کبھی آیات کا کوئی مجموعہ عمومی فاصلہ سے ہٹ کر کسی دوسرے فاصلہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ اسی سورۃ "طٰہٰ" میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (قال ربّ اشرح لی صدری ویسّر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی، یفقھوا قولی، واجعل لی وزیراً من اھلی ھارون اخی، اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری)

ان مذکورہ بالا آیات کے فوراً بعد تین آیات کا ایک تیسرا مجموعہ ایک ایسے فاصلہ پر ختم کیا گیا ہے جو پہلے دونوں مجموعۂ آیات کے فاصلہ سے بالکل جدا ہے ۔ ارشاد باری ہے ۔ (کی نسبحک کثیراً ونذکرک کثیرا، انک کنت بنا بصیراً)

پھر سورہ اپنے عام فاصلہ (فاصلۂ الف) کی طرف پلٹ آتی ہے ۔

۳۔ ایسے ہی سورہ "النجم" کی آیات عام طور پر فاصلۂ الف پر مبنی ہیں: (والنجم اذا ھوی ۔ ما ضلّ صاحبکم وما غوی ۔ وما ینطق عن الھوی، ان ھو الاّ وحی یوحی، علّمہ شدید القوی ذو مرّۃ فاستوی ۔ وھو بالافق الاعلی ۔ ثم دنی فتدلّی، فکان قاب قوسین او ادنی)

اور یہی سلسلہ سورہ کے اختتام کے ذرا پہلے تک چلتا ہے۔ اس کے بعد دو آیتوں کا ایک مجموعہ ایک نیا فاصلہ اختیار کر جاتا ہے، ارشاد باری ہے۔ (أزفت الآزفة، ليس لها من دون الله كاشفة) پھر اس کے بعد تیسرا مجموعہ ایک تیسرے فاصلہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری ہے۔ (أفمن هذا الحديث تعجبون وتضحكون ولا تبكون، وانتم سامدون)۔

۴۔ یہی اسلوب سورہ مریم، الفرقان، الصافات، الملک، القلم، الحاقۃ، التکویر اور الانشقاق اور دیگر بہت ساری سورتوں میں ہے۔

۵۔ لیکن قرآن کریم میں کچھ سورتیں ایسی بھی ہیں جو از اول تا آخر ایک ہی فاصلہ پر مبنی ہیں مثال کے طور پر۔

(الف) سورہ "الشمس" (والشمس وضحاها۔ والقمر إذا تلاها۔ والنهار إذا جلّٰها والليل إذا يغشاها۔ والسماء وما بناها۔ والارض ما طحاها) یہی طرز سورۃ کے اختتام تک باقی ہے۔

(ب) سورت "الليل": (والليل إذا يغشىٰ۔ والنهار اذا تجلّٰى۔ وما خلق الذكر والانثىٰ انّ سعيكم لشتّٰى)

(ج) اور بالکل یہی اسلوب سورہ قمر میں ہے جو ان دونوں مذکورہ سورتوں سے بڑی ہے۔ (اقتربت الساعة وانشق القمر۔ وإن يروا اية يعرضوا ويقولوا سحر مستمر۔ وكذبوا واتبعوا اهواهم وكل أمر مستقر۔)

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ بالا مثالیں نہ تو شعر کے قبیل سے ہیں اور نہ ہی وہ نثر مرسل سے تعلق رکھتی ہیں جو قافیہ اور تناسب فواصل کی رعایت کے بغیر لکھی گئی ہوں چنانچہ سوائے نثر مسجع کے اور کوئی قسم باقی نہ رہی، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سجع نہیں تو پھر کیا ہے؟ اس باب میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، بعض محققین کی رائے میں وہ آیات اور سورتیں جن میں فواصل کی مناسبت ہے وہ بعینہ اپنے معنی اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے سجع ہیں اور وہ اس میں کوئی عیب نہیں سمجھتے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک کلام بہر صورت متذکرہ بالا تینوں انواع ہی میں محصور ہے۔ مگر علماء کے دوسرے گروہ کی رائے میں قرآن کو سجع کہنا درست نہیں ہے۔ لیکن آخر کیوں؟ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سجع کی حقیقت و ماہیت باہم متناسب فواصل پر منطبق ہونے سے ابا کرتی ہے۔ (جیسا کہ ہم نے گزشتہ مثالوں میں بعض سور اور آیات کو بطور مثال پیش کیا) اور وہ حقیقت کیا ہے جو ان فواصل پر منطبق نہیں ہوتی ہے؟ جو لوگ قرآن میں سجع کے قائل نہیں ہیں انہوں نے وجوہ مخالفت کو تشفی بخش انداز میں پیش نہیں کیا اور نہ ہی اس نقطہ کا تعین کیا جہاں پہونچ کر سجع قرآن

پُر تکلف ہوتا یا محض کہانت میں مستعمل ہوتا ہے۔

اگر ایسے شعرا و ادبا کے سجع کلام کا جائزہ لیا جائے جو سجع سے شغف رکھتے ہیں اور اس میں حد سے تجاوز کرتے ہیں تو عام طور پر صورت حال یہ ہوتی ہے کہ وہ تکلف سے پر ہوتا ہے جس میں معنی کے مقابلہ میں لفظ پر زیادہ زور صرف کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے کلام معنوی اعتبار سے بے جان ہو کر رہ جاتا ہے اور ایسے چھلکے کے مانند ہو جاتا ہے جو مغز سے خالی ہو۔ ایسی صورت میں سجع بلاشبہ قابل مذمت اور معیوب ہے، اور جب اس پہلو سے سجع پر غور کیا جائے تو یہ کہنا مناسب ہے کہ لفظ سجع (جو عیب و ذم پر دلالت کرتا ہے) کا اطلاق قرآن کریم کے متناسب فواصل پر کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

لفظ سجع کا اطلاق قرآنی فواصل پر کرنے سے اس وجہ سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے کہ اس کلمہ کا زیادہ تر اطلاق کہانت میں مستعمل اس سجع پر ہوتا ہے جو کہ دجل و فریب کا مرقع ہے۔ یہی وہ سبب ہے جو ہمارے نزدیک لفظ سجع کا اطلاق قرآن کے فواصل پر کرنے میں مانع ہے۔ ورنہ کسی کلام کا متناسب فواصل کے ساتھ ہونا جس پر کہ کلمہ سجع دلالت کرتا ہے بذات خود معیوب نہیں ہے کیوں کہ قرآن میں فواصل کا تناسب ایک امر واقعہ ہے اور بہت کثرت سے بیشتر مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

مسئلہ سجع میں باقلانی کا موقف

قاضی ابوبکر باقلانی قرآن کریم میں سجع کے وقوع کا انکار کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ اپنے مخالفین پر اس شدت سے انکار کرتے ہیں کہ قرآنی فواصل میں کا واقع ہونا بہت ہی مشہور و معروف ہے، ان کی رائے میں بذات خود ان فواصل کا تناسب مقصود نہیں۔ چنانچہ وہ "اعجاز القرآن" میں رقم طراز ہیں کہ: دراصل ان فواصل کا مقصود قرآنی اعجاز کے بہت سارے پہلوؤں میں سے ایک پہلو کو اجاگر کرنا ہے وہ اس طرح کہ ایک ہی قصہ معنی اور نظم کی قوت اور اسلوب کی چاشنی و لطافت کے ساتھ مختلف اسالیب و پیرایوں میں اس طرح بیان کیا جائے کہ جملہ کے بعض اجزاء کو کہیں مقدم اور کہیں مؤخر کر دیا جائے۔ یہ زبان پر قدرت کی دلیل اور بلاغت، و براعت کی واضح علامت ہے

اسی طرح امام سیوطی "الاتقان" میں اس کو نقل کرتے ہیں اور اسی دلیل سے قرآن کریم میں سجع کے موئدین کی تردید کرتے ہیں۔ کیونکہ موئدین سجع کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ: موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا جہاں ذکر آیا ہے وہاں ہارون علیہ السلام کو بعض مقامات پر مقدم کیا گیا ہے جب کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے افضل ہیں اور جب ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہوتا ہے تو اصل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر مقدم ہو لیکن سجع کا لحاظ کرتے ہوئے بعض آیات میں ہارون علیہ السلام کو ان پر مقدم کیا گیا ہے، ارشاد باری ہے (فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا

مندرجہ بالا پانچوں امور میں سے پہلے تین کے مابین کوئی ایسا قابل ذکر فرق نہیں ہے جس کی وجہ سے کلام سجع اور فواصل آیات کے درمیان فرق کیا جاسکے، کیوں کہ بعض قرآنی آیات جن کے متناسب فواصل آیات کے مختصر ہونے کی بنا پر اسی طرح متقارب ہوتے ہیں جیسا کہ سجع کے بیان میں گذر چکا ہے۔

اور بعض آیات ایسی ہیں جن کا ایک مجموعہ ایک فاصلہ پر ہوتا ہے پھر اس کے بعد والا مجموعہ ایک دوسرے فاصلہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات تیسرا مجموعہ ایک تیسرے فاصلہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ مسجع کلام میں ہوتا ہے۔

البتہ آخری دونوں چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعہ سجع اور فواصل آیات کے درمیان فرق کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ فواصل (آیاتِ قرآنی کے فواصل) اُن اسباب سے خالی ہیں جن سے مسجع کلام کی مذمت کا پہلو نکلتا ہے۔ پھر یہ بھی کہ وہ اسباب۔ جن کی وجہ سے سجع مذموم ہے ذاتی اسباب نہیں ہیں اور ایسی صورت میں سجع بذاتِ خود مذموم نہیں ہے۔

لہٰذا سجع کا پر تکلف استعمال (جس کی طرف چوتھے میں اشارہ کیا گیا ہے) ایک قابل مذمت عیب ہے۔ اس میں معنی کے مقابلہ میں لفظ پر توجہ زیادہ ہونے کی وجہ سے بعض عبارتیں گنجلک اور مبہم ہو جاتی ہیں یا بے فائدہ ہو کر رہ جاتی ہیں اور یہ پہلے عیب سے بھی زیادہ قبیح عیب ہے۔

اسی طرح پانچویں نکتہ میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ سجع کا اطلاق کبھی کبھی کہانت اور غیبی امور کی پیشین گوئی کرنے پر بھی ہوتا ہے جو شرعاً مذموم ہونے کے ساتھ ایک سنگین اور قابل مذمت عیب ہے۔ لیکن یہ سارے عیوب ایسے نہیں ہیں جن سے کلام کا خالی ہونا ناممکن ہو، کیوں کہ، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ یہ اسباب ذاتی نہیں بلکہ عارضی ہیں۔ چنانچہ پر تکلف مسجع عبارت اور کہانت میں سجع کا استعمال مجرد سجع ہونے کی وجہ سے مذموم نہیں ہے بلکہ مذمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں محض تکلف ہوتا ہے اور تکلف میں مبالغہ آرائی ہوتی ہے، یا اس وجہ سے کہ وہ کہانت میں استعمال ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسا استعمال جھوٹ، افترا اور دھوکہ پر مبنی ہوتا ہے، اور یہ ایک ایسا عیب ہے جو کلام کے نظم و ترتیب اور فواصل کی مناسبت کے لوازم میں سے نہیں ہے اس صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن میں سجع کے وارد ہونے میں کونسی چیز مانع ہے؟ یہ بھی ایک نقطہ نظر ہے جس میں بہت کچھ وزن ہے۔ اس کے جواب کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ ہم نے اوپر پیش کیا ہے اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم میں سجع کے وقوع یا عدم وقوع کے سلسلے میں کس موقف کو اختیار کیا جانا چاہیئے، چنانچہ چوتھے اور پانچویں نکتہ میں جس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سجع کی مذمت مطلقاً اس کے سجع ہونے کی بنا پر نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کی مذمت کی اصل وجہ اس کا

کے متناسب فواصل سے جدا ہو جاتا ہے جس سے معاملہ واضح ہو جاتا، ابہام دور ہو جاتا اور الفاظ کو ان کے خاص معانی میں استعمال کرنے کی راہ ہموار ہو جاتی۔

ہم جب خطباء اور انشاء پردازوں کے مسجع کلام کا مطالعہ کرتے ہیں، خواہ وہ کلام دور جاہلیت سے تعلق رکھتا ہو یا عہد اسلام سے یا اس کے بعد کے ادوار سے، نیز جب ہم اس میں اس کے فقرات کے اعتبار سے، اس کی تعداد اور فواصل کے پہلو سے، اُن فواصل باہم قریب یا بعد کے نقطہ نظر سے اور ایک ہی کلام میں ان کے اتحاد و اختلاف کی جہت سے بحث کرتے ہیں تو ہم مندرجہ ذیل نتائج تک پہونچتے ہیں۔

۱۔ یہ کوئی ضروری نہیں تھا کہ مکمل خطبہ یا پورا کا پورا رسالہ ایک ہی فاصلہ پر ہو، بلکہ خطیب یا انشاء پرداز چند فقرات کو ایک معین فاصلہ پر استعمال کرنے کے بعد دوسرے فاصلہ کی طرف منتقل ہو جاتا تھا جو فقرات کے ایک اور مجموعہ پر مشتمل ہوتا تھا، پھر کبھی دوسرے فاصلہ سے تیسرے اور چوتھے فاصلہ کی طرف منتقل ہو جاتا تھا جو فقرات کے ایک اور مجموعہ پر مشتمل ہوتا تھا، پھر کبھی دوسرے فاصلہ سے تیسرے اور چوتھے فاصلہ کی طرف نکل پڑتا تھا اور ایسے ہی دوسرے فواصل کی طرف جیسا کہ مقام و محل کا تقاضا ہوتا۔

۲۔ دوسرے مجموعہ میں یا اس کے بعد والے مجموعہ میں لازم نہیں تھا کہ فقرات کی تعداد پہلے مجموعہ کے فقرات کی تعداد کے برابر ہو، چنانچہ کبھی تو اُس سے تعداد میں زائد ہوتے اور کبھی اس سے کم۔

۳۔ فقرات کے ہر مجموعہ کے فواصل عام طور پر ایک دوسرے سے متقارب ہوتے جب کہ وہ چھوٹے چھوٹے فقرات استعمال کرنا چاہتے، البتہ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہر فقرے کے کلمات یا حروف ایک معیّن تعداد میں برابر ہوں، بلکہ یہ کافی تھا کہ تعداد کے اعتبار سے ان فقروں میں واضح فرق نہ ہو۔

۴۔ بعض وہ خطباء اور ادباء جو اپنے خطبوں اور تحریروں میں سجع کا بڑا اہتمام کرتے تھے عموماً اولیت سجع کو دیتے تھے اور رہا معنی تو وہ اُن کی نظر میں ثانوی درجہ رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ کبھی تو سجع سے شغف اور اس کے التزام میں وہ ایسے تکلفات پر مجبور ہوتے تھے کہ بعض فقروں کا مفہوم بالکل خبط یا بے تکا ہو کر رہ جاتا ہے جس کلام میں بھی معنی سے زیادہ لفظ پر توجہ دی جاتے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ بہترین کلام وہ ہے جس میں لفظ معنی کے تابع ہوتا ہے۔

۵۔ کبھی تو سجع کا خاص اطلاق موقع و محل کی دلالت اور قرینہ کی مدد سے کاہنوں کی من گھڑت غیب کی باتوں اور مستقبل کی پیشین گوئیوں پر ہوتا تھا جس کے ذریعہ وہ قضاء و قدر سے اسرار کی معرفت کا دعویٰ کرتے تھے اور اس غرض کے لیے دھوکہ بازی اور گمراہ کرنے کے سارے وسائل اختیار کرتے تھے اور اپنی مسجع عبارتوں کو ابہام و غموض سے پر کرتے تھے اور ایسے الفاظ کا استعمال کرتے جن کے اندر ایک سے زیادہ معنی کی گنجائش ہوتی ہے

آمَنَّا بِرَبِّ هَارُوْنَ وَمُوْسیٰ) اسی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ اس سورہ میں فواصل "الف" پر مبنی ہیں چنانچہ دوسری آیات میں جہاں فواصل "واو" اور "نون" "یا" یا" اور "نون" پر مبنی ہیں وہاں پر موسیٰ علیہ السلام کو مقدم کیا گیا جیساکہ ارشاد باری ہے : قَالُوْا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ ، رَبِّ مُوْسیٰ وَهَارُوْنَ ، آمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔

قرآن میں سجع کے مؤیدین کی اس دلیل میں زور و قوت ہے اس دلیل کو مزید مستحکم کرنے کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم میں دسیوں مرتبہ "ارض و سماء" کا ذکر ایک ساتھ واحد اور جمع دونوں صورتوں میں ہوا ہے اور ان تمام صورتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ "سماء یا سماوات" کا ذکر "ارض" پر مقدم ہے سوائے معدودے چند جگہوں کے جہاں پر "ارض" کا ذکر مقدم کیا گیا ہے اور یہ دو جگہیں ہیں جہاں پر یہ بالکل واضح ہے اور اس سے صرف فواصل کے تناسب کی رعایت مقصود ہے ۔

اس کی مثال ارشاد ربانی ہے ۔ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلیٰ ، اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی) کیوں کہ سورہ کے فواصل "الف" پر مبنی ہیں اور ان فواصل کے درمیان تناسب کا لحاظ کرتے ہوئے "ارض" و "سموات" پر مقدم کیا گیا جس کی صفت العلی ہے جوکہ الف کے اوپر تمام ہوتی ہے ۔ اسی وجہ سے جہاں اس تناسب کی ضرورت باقی نہ رہی اور "ارض و سماء" کا ذکر دوسری مرتبہ فوراً بعد والی آیتوں میں ایک ساتھ آیا تو قرآن اپنے اصل کی طرف پلٹ آیا چنانچہ "سموات" کو "ارض" پر مقدم کیا گیا ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے (لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّریٰ)

اسی کی دوسری مثال ارشاد باری ہے (رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ) چنانچہ یہاں پر لفظ "ارض" کو "سماء" پر مقدم کیا گیا جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں فاصلہ کا تناسب ان دوسرے فواصل کے ساتھ مقصود ہے جو الف ممدودہ کے بعد ہمزہ پر مبنی ہیں ۔

قاضی باقلانی کا جواب ۔

قاضی ابوبکر باقلانی قرآن میں سجع کے مؤیدین کی سابقہ دلیل کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں "مؤیدین سجع نے تناسب فواصل کی خاطر لفظ "موسیٰ و ہارون" کی تقدیم و تاخیر کی جو دلیل دی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مقصود وہ نہیں ہے جو انہوں نے ذکر کیا ہے بات دراصل یہ ہے کہ ایک ہی قصہ کا مختلف "الفاظ سے" جو کہ ایک ہی معنی ادا کریں ، اس طرح دہرانا کہ فصاحت و بلاغت کا مکمل اظہار ہو بہت مشکل ہے ۔ اسی وجہ سے بہت سارے واقعات مختلف مقامات پر جدا جدا ترتیبوں سے دہرائے گئے ہیں جس کے

ذریعہ ان مشرکین کو یہ باور کرانا مقصود تھا کہ وہ اس جیسا کلام وہ ایک مرتبہ بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں پھر متعدد پیرایوں میں اس کے بیان کا ذکر ہی کیا۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ "نتیجۃً"، یہ ثابت ہوا کہ بعض کلمات کو بعض پر مقدم کرنے اور بعض کو بعض سے موخر کرنے کا مقصد اعجاز قرآنی کا اظہار ہے، سجع مقصود سجع نہیں ہے جیسا کہ ان علماء نے سمجھا ہے۔

اس طرح قاضی ابوبکر باقلانی نے قرآن میں سجع کے موئدین کے قوی استدلال کو مسترد کرتے ہیں۔

قاضی باقلانی کا یہ موقف بہت ہی عجیب وغریب ہے کہ وہ ان آیات میں جن میں "موسیٰ وہارون" تقدیم وتاخیر کے ساتھ مذکور ہیں سجع یا تناسب فواصل کا انکار کرتے ہیں اور اس تقدیم وتاخیر کا مقصد محض اعجاز قرآنی بتلاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا اظہار بلاغت کو ان آیات میں مقصود بنانا سجع یا تناسب فواصل کو مقصود بنانے کے منافی ہے؟

قرآن کی بلاغت اور اس کا ایک ہی بات کو ایک غرض سے مختلف پیرایوں میں بیان کرنے کا اعجاز ایک ایسا بدیہی امر ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جہاں "ہارون" کا ذکر "موسیٰ" پر مقدم ہوا ہے وہاں قرآن کا مقصود یہ ہے کہ آیت "الف" کے فاصلہ پر ختم ہو تاکہ بقیہ فواصل سے مناسبت پیدا ہو جائے، اور دوسری آیات میں جہاں "موسیٰ" کو "ہارون" پر مقدم کیا گیا ہے، وہاں مقصود یہ ہے کہ آیت دوسرے فواصل کی مناسبت سے "واو" اور "نون" کے فاصلہ پر ختم ہو۔

یہ ایک ایسا امر ہے جس کا انکار مناسب نہیں اور اس صورت میں ان آیات میں اظہار بلاغت کو مقصود بنانے کے ساتھ ساتھ سجع یا تناسب فواصل کو بھی مقصود بنانے میں کوئی مانع نہیں ہے باقلانی کے برخلاف جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان آیات میں تقدیم وتاخیر کا واحد مقصد اظہار بلاغت ہے۔

یہ بات صحیح نہیں ہے چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس تقدیم وتاخیر کا واحد مقصد سجع اور تناسب فواصل ہی ہے اب رہا اظہار بلاغت کا فائدہ جو ایک ہی معنی کو مختلف انداز بیان سے حاصل ہوتا ہے تو وہ اس پر مزید ہے۔ کیوں کہ اس بلاغت کا اظہار اس ترتیب کے علاوہ بھی جو ان آیات میں بیان کی گئی ہے دوسری ترتیب میں بھی کیا جاسکتا تھا جیسے کہ ہارون اور موسیٰ کے نام اس ترتیب کے علاوہ کسی اور ترتیب سے بیان کیے جاتے جس طرح ان آیات میں مذکور ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ شعراء کی آیت میں ہارون کے ذکر کو موسیٰ کے ذکر پر مقدم کر دیا جاتا اس لیے کہ یہاں آیات "الف" اور "نون" کے فاصلہ پر ختم ہوتی ہیں اور اسی طرح "موسیٰ" کے ذکر کو "ہارون" پر سورہ "طٰہٰ" کی آیت میں مقدم کر دیا جاتا جس میں آیات

"الف" کے فاصلہ پر ختم ہوتی ہیں، اس ترتیب سے بھی غالباً بلاغت کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

لیکن وہ تنویع جس کے بارے میں باقلانی کہتے ہیں کہ وہ بلاغت کی مظہر ہے وہ تو اس طرح کی تقدیم وتاخیر سے پوری ہو جاتی مگر اس کے بعد مقاطع کا حسن اور اسلوب کا جمال باقی نہ رہتا، لہٰذا جس تقدیم وتاخیر کے ساتھ قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں وہی کلام کے حسن وجمال کو اور اسلوب کی خوبصورتی ورعنائی کو برقرار رکھ سکتی ہے، لہٰذا صرف سجع یا تناسبِ فواصل۔ تعبیر کے اختلاف کے ساتھ ہی اس تقدیم وتاخیر سے مقصود ہے، چنانچہ "ہارون" اور "موسیٰ" کی آیات ہیں اور ایسے ہی "ارض" اور "سماء" کی آیات ہیں صرف سجع یا تناسبِ فواصل ہی مقصود ہے۔ اسی لیے ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم میں سجع یا تناسب فواصل کے مسئلہ میں قاضی باقلانی نے بڑا عجیب موقف اختیار کیا ہے۔ جس شدت سے وہ قرآن میں سجع یا تناسب فواصل کا انکار کرتے ہیں اس کی وضاحت مشکل ہے۔ ہمارا گمان ہے اور ہر گمان گناہ نہیں ہوتا کہ ان کے اس موقف کو اختیار کرنے کا اصل سبب مسلکی تعصب ہے کیوں کہ ان کے شیخ ابوالحسن اشعری کا یہی مسلک تھا چنانچہ وہ بھی اسی موقف پر مضبوطی سے جم گئے۔ شیخ کی طرف اس رائے کی نسبت شک وشبہ سے بالاتر ہے اور اس کی روایت خود باقلانی نے اپنی کتاب "اعجاز القرآن" میں کی ہے اور متعدد بار ذکر کیا ہے کہ شیخ اشعری قرآن میں سجع کے منکر ہیں اور یہیں سے یہ مسئلہ بھی ان عقائدی وفلسفیانہ مسائل میں شمار ہوتا ہے جس میں اشاعرہ اور دوسروں کے مابین شدید اختلاف ہے۔

خلق قرآن

سجع کے انکار کے سلسلہ میں اشاعرہ نے جو کچھ کہا ہے اس کا مطالعہ کرنے والا اگر ذرا سا بھی چوکے تو وہ مسئلہ خلق قرآن اور اس سے متعلق اختلافات میں الجھ جائے گا جو بہتوں کے لیے فتنہ اور بہتوں کے لیے ہلاکت کا باعث بنا۔ اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل اقوال سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ "کیا قرآن میں سجع کا استعمال جائز ہے۔ اس میں اختلاف ہے اور جمہور تین وجوہ سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اس کی اصل چڑیا کی مخصوص قسم کی آواز سے ہے (سجع الطیر) اور سجع قرآن اس سے بہت بلند وبرتر ہے کہ اس میں کسی چیز کے لیے ایسا لفظ مستعار لیا جائے جو اصلاً بے معنی ہو، دوسرے یہ کہ غیر اللہ کے کلام میں یہ صفت پائی جاتی ہے پس قرآن اس سے اعلیٰ واشرف ہے کہ اس میں اور مخلوق کے کلام میں کوئی چیز مشترک ہو۔ تیسرے یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہے پس اس کو ایسی صفت کے متصف کرنا جس کی اجازت نہیں دی گئی ہے جائز نہیں۔" یہ بعینہٖ اشاعرہ کے اقوال ہیں اور اپنے مفہوم ومدعا میں اس قدر واضح ہیں کہ کسی مزید تشریح اور وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اس نقطۂ نظر کو خود اپنے اصل وطن میں بھی حمایت اور غلبہ حاصل نہ ہو سکا اور یہی خلق قرآن کا موضوع ہے۔

سجع القرآن

ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ قرآن میں سجع کے باب میں آخر علماء کے درمیان اختلاف رائے کیوں ہے اگر اصل مسائل اور ان کی حقیقت کے بارے میں انصاف اور اعتدال پسندی کے ساتھ غور و فکر کیا جائے تو سارے شبہات دور ہو جائیں گے اور تمام دشواریاں زائل ہو جائیں گی اور اس میں کسی معمولی اختلاف کی بھی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

اگر کلام میں سجع مقصود بالذات ہو پیچیدہ اور تکلف سے پر ہو، اس میں معنی سے زیادہ الفاظ پر توجہ دی جائے تو بلاشبہ ایسا سجع کلام مذموم اور ناپسندیدہ ہوگا اور یہ ممکن نہیں کہ خداوند علیم و حکیم کے کلام میں ایسا نقص پایا جائے چنانچہ کتاب عزیز کے باب میں ایسی کسی چیز کا روا رکھنا ہرگز درست نہیں۔ البتہ اگر سجع سہل اور لطیف ہو نیز اس میں کلام کے معنی و مفہوم، اس کے روابط اور بلاغت کے مقتضیات کی پوری رعایت کی گئی ہو تو یقیناً ایسا سجع کلام بہت ہی دلآویز اور دلکش ہوگا اور اس کے حسن و جمال اور لطافت کو بحث و جدال کا موضوع بنانا کسی طرح بھی مناسب نہ ہوگا اور قرآن میں جو سجع ہے وہ یہی ہے۔ چنانچہ قرآن کا سجع اور فواصل کی ہم آہنگی تکلف اور پیچیدگی سے یکسر پاک ہے پھر قرآن میں سجع مقصود بالذات نہیں ہے جس کے لیے معنی اور مفہوم سے زیادہ اہتمام کیا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں سجع کی رعایت میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے جس کا معنی بعید الاحتمال ہو اور اس کی ادائیگی کے لیے کوئی دوسرا لفظ زیادہ مناسب اور صحیح ہوتا۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ قرآن میں سجع کی رعایت میں ایسے بے معنی اور مہمل الفاظ کا استعمال کیا گیا ہو جن کی معنی مراد پر دلالت غیر واضح اور مبہم ہو۔ اس صورت حال میں قرآن کریم میں سجع کے وجود سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔

قرآن کریم کبھی تو عالم غیب کے بارے میں خبر دیتا ہے اور کبھی ان سربستہ امور کا پتہ دیتا ہے جن کے بارے میں جاننے کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔ یہ باتیں جن آیات اور فقروں میں بیان ہوتی ہیں جو سجع بھی ہوتے ہیں اور غیر سجع بھی۔ اس کے تمام بیانات کی خاص بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ صرف حق اور صدق پر مبنی ہوتا ہے اس کو ماننا اور اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے اس لیے کہ اس میں شک کرنے والا مومن ہی نہیں ہو سکتا۔

سجع مذموم

رہا کاہنوں کا مسجع کلام تو وہ سجع مذموم ہے اس لیے کہ یہ تمام تر دھوکہ، فریب اور جھوٹ پر مشتمل ہوتا ہے اور غیب کے بارے میں جھوٹ موٹ کی خبریں دیتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے اور اس کے بارے میں سوا ان لوگوں کے جن کو بارگاہِ رب العزت سے منصب رسالت کے لیے چن لیا گیا ہے کسی اور کو کوئی خبر نہیں ہو سکتی۔ ایسے ہی مسجع کلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت فرمائی اور ان لوگوں پر سخت نکتہ چینی فرمائی ہے جو اس سے تشبہ اختیار کرتے ہیں۔ ایسے ہی ایک شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "أسجعاً كسجع الكهان؟"

یا یہ فرمایا "أسجاعة كسجاعة الجاهلية ؟" اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جو عاقلہ پر دیت کے وجوب کے باب میں اسلامی احکام سے روگردانی کر رہا تھا۔ معاملہ ایک عورت کا تھا جس نے ایک دوسری عورت پر زیادتی کی تھی جو حاملہ تھی اور نتیجہ کے طور پر اس نے ایک مردہ بچے کو جنم دیا۔ جب کہ اس نے کہا "كيف نفدي من لا شرب ولا أكل، ولا صاح فاستهل، أليس دمه قد يطل" یعنی بھلا ہم اس کا فدیہ کیسے ادا کریں جس نے نہ کچھ کھایا نہ پیا، اور نہ رویا نہ آواز نکالی، پھر اس کا قصاص باطل نہیں ہوگیا۔ یہ اس نے اس وقت کہا جب کہ ایک عورت نے دوسری حاملہ عورت پر ظلم اور تجاوز کیا جس سے اس کو مرا ہوا بچہ پیدا ہوا۔"

سجع محبوب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً سجع کی مذمت نہیں کی ہے بلکہ آپؐ نے صرف اس سجع کی مذمت کی ہے جو کاہنوں اور اہل جاہلیت کے انداز اور طریقے پر ہو۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے کلام میں بعض جگہ نہایت لطیف اور دلآویز سجع کا استعمال فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے
"أيها الناس، أفشوا الإسلام، واطعموا الطعام، وصلوا الأرحام، وصلوا بالليل والناس نيام، تدخلوا الجنة بسلام۔"

اب کیا اس کے بعد بھی اشاعرہ اور غیر اشاعرہ کے مابین قرآن میں وقوع سجع کے باب میں اختلاف کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے جن لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سجع کا انکار کرتے ہیں وہ لوگ دراصل قرآن کریم میں فواصل کے تناسب پر لفظ سجع کے اطلاق کو انتہائی غلط سمجھتے ہیں اس لیے کہ اس لفظ کا استعمال اکثر و بیشتر یا تو اس سجع پر ہوتا ہے جس میں غیر معمولی حد تک تکلف پایا جاتا ہے یا دھوکے باز اور جھوٹے کاہنوں کے سجع پر۔ چنانچہ اب یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مسئلہ سجع میں حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں ہے جو اختلاف بظاہر ہے بھی وہ صرف لفظی اختلاف ہے یعنی ایک لفظ کو چھوڑ کر دوسرا لفظ اختیار کرنے کا ہے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی

جناب اسرار عالم صاحب

عصر حاضر کا جاہلی نظام

عصر حاضر بہر حال ایک حقیقت ہے۔ لہٰذا کچھ سوالات ایسے ضرور ہیں جن کے جواب ملنے چاہئیں..... مثلاً یہ سوال کہ عصر حاضر کی جاہلی قدروں پر مبنی مغربی نظام جو فی الواقع نظام دوراں کی حیثیت رکھتا ہے کس تدریجی عمل اور مرحلے سے گذر رہا ہے؟ اس کا انجام کیا کچھ ہو سکتا ہے؟ اس نظام کے عمل اور ردعمل کے نتیجے میں مستقبل کی دنیا کے سامنے کیا چیلنج ہو سکتے ہیں؟ اور یہ کہ اس اعتبار سے اس چیلنج کو قبول کرنے اور دنیا کو فلاح سے ہمکنار کرنے کے لیے اسلام کا مومنوں سے کیا تقاضا ہے؟

عصر حاضر کا نظام عالم کن اقدار پر مبنی ہے اس کا تذکرہ ابتداءً کیا جا چکا ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان جاہلی قدر کا بنیادی پتھر اللہ۔ ذات اللہ اور صفات اللہ کا انکار ہے۔ اسلامی اصطلاح میں اس انکار کو انکارِ توحید کہا جاتا ہے۔

انکار توحید کر دینے والے کسی بھی فرد، قوم یا نظام کے لیے یہ بات ناگزیر ہو جاتی ہے کہ روئے ارض پہ اپنے انسانی رویے کے استمرار کے لیے دو باتیں مزید لازم کرے۔ اولاً یہ کہ انسانی عقل عقلِ کل ہے اور ثانیاً یہ کہ عقل کے استعمال کے لیے انسانی خواہش حاکم اور فیصلہ کنندہ کا درجہ رکھتی ہے۔ ان دو باتوں کا اقرار اور لزوم اصلاً دو باتوں کے انکار اور ترک کا دوسرا نام ہے۔ ان دو باتوں میں پہلی چیز ہے روئے ارض پر کسی ذریعہ ہدایت کا انکار اور دوسری اس بات کا کہ حیات ارضی میں انسانی رویہ کی کوئی منتہا ہے۔ اسلامی اصطلاحات میں اوّل الذکر کو انکار رسالت اور ثانی الذکر کو انکار آخرت کہا جاتا ہے۔

ذات وصفات اللہ کے انکار اور انسانی عقل کے عقلِ کل ہونے اور انسانی خواہش کے حاکم اور فیصلہ کنندہ ہونے پر اصرار یا بالفاظ دیگر توحید، رسالت اور آخرت سے پیچھا چھڑا لینے کے بعد انسان مجبور ہے کہ زندہ رہنے اور زیست کے لیے جدوجہد کرنے کے سلسلے میں کسی کام کا فیصلہ کرنے کے مرحلے تک پہنچنے کیلئے ایک مخصوص طریقہ کار کا سہارا لے۔ ظاہر ہے وہ طریقہ کار توحید، رسالت اور آخرت کی ہر بندش اور تحدید سے آزاد ہوگا۔

عصر حاضر کے مغربی نظام کو بھی توحید، رسالت اور آخرت کے انکار کے بعد اسی صورتحال سے دوچار ہونا پڑا اور اس نظام نے اپنے لیے جو طریقہ کار وضع کیا وہ حقیقتاً توحید، رسالت اور آخرت کی ہر بندش سے آزاد تھا۔ جو لوگ عصر حاضر کے جاہلی نظام، اس کے تحت نمو پانے والے علوم و فنون، اس کے تقاضوں کے تحت معرض وجود میں آنے والے اداروں اور ان تمام چیزوں کے ساتھ ظاہر ہونے والے انفرادی اور اجتماعی انسانی رویوں کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ یہ سب نظام عصر، تفریق۔ توحید، رسالت اور آخرت کی بینیت رکھتے ہیں اور پھر بحیثیت تحریک اسلامی کے ایک فرد کے یہ تجویز فرماتے ہیں کہ اگر ان سب کے ساتھ توحید، رسالت اور آخرت کا جوڑ لگا دیا جائے تو یہ نظام اور اس کے تحت وجود میں آیا یہ کاروبار حیات کلیتاً اسلامی ہو جائیں گے ۔ وہ دراصل اس بات کی غمازی کر رہے ہیں کہ نہ تو انہوں نے نظام عصر کو سمجھا ہے اور نہ ہی نظام اسلام کو۔

اور اگر بفرض محال اس نظام کو توحید، رسالت اور آخرت سے متصل کر بھی دیا جائے تب بھی یہ نظام جس خمیر سے بنا ہوا ہے وہ کسی قیمت پر توحید، رسالت اور آخرت کو قبول کرنے اور آخرت کی ہر بندش سے آزاد ہے مندرجہ ذیل ہے ۔

مفروضہ (Hypothesis) ← مشاہدہ (Observation) ← تجربہ (Experimentation)

← استقرار یا استنتاج (Inference)

وہ نظام جو یورپ میں نشاۃ الثانیہ کے نام سے برپا ہوا اور انیسویں صدی آتے آتے سارے عالم پر چھا کر اور زندگی کے جملہ شعبہ جات کو اپنے اندر سموم باہم عروج پر پہنچ گیا، دراصل اسی اساس پر قائم ہے۔ عہد وسطیٰ میں یورپ میں پائی جانے والی مخصوص قدروں کے درمیان برپا ہونے والی اس فکر کی بنیادی قدر انکار توحید تھی جو بالآخر انکار رسالت و آخرت پر جا کر منتج ہوئی۔ انکار توحید، رسالت اور آخرت کے نتیجے میں برپا ہوتے والا منہاج ہی دراصل وہ طریقہ فکر و نظر اور طریقہ کار ہے جسے عصر جدید میں سائنسی نقطۂ نظر یا سائنسی طریقہ کار (Scientific view or Scientific Approach) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں بار آور نظام، اس کے تحت نمو پانے والے علوم و فنون، اس کے تقاضوں کے تحت وجود میں آنے والے ادارے جاہلیت کے مظاہر ہیں اصل نہیں بلکہ اس جاہلیت خالصہ کا اصل الاصول تو وہ سائنسی نقطۂ نظر یا طریقہ کار ہے جو اس پورے نظام کی رگ و پے میں روح کی طرح موجود ہے ۔

انیسویں صدی آتے آتے اس سائنسی نقطۂ نظر کی غیر معمولی قوت کے ساتھ اس شکل میں جلوہ گری ہوئی۔ جسے تالیف عناصر یا Synthesis کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح جاہلیت خالصہ کی قدروں پر استوار اس تحریک نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ شعبہ جات پر اپنی بالادستی قائم کر لی ۔

طول بحث سے گریز کرتے ہوئے ذیل میں اختصار سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح اس جاہلیت خالصہ نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ شعبہ جات اور پہلوؤں پر اپنی ہمہ گیر اور مضبوط بالادستی قائم کر رکھی ہے۔

(۱) طبیعات (Physical Science)

(الف) علم کیمیا میں نظریۂ عناصر (Elements or Atomic weights) نے کیمیائی ردعمل کی حرارت، (Heats of Chemical Reaction) کا نظریہ قائم کیا۔

(ب) میکانکس (Mechanics) میں نظریۂ طاقت وقوت (Force or Relationship to Motion) نے طاقت حرکیۃ (Theory of Kinetic Energy) کا نظریہ دیا۔

(ج) علم طبیعات (Physics) میں ایک طرف نظریہ مادّہ (Matter or Molecular Structure) نے نظریہ صیانت قوت (Theory of Conservation of Energy) دیا اور دوسری طرف نظریۂ برق (Law of Electricity) نے نظریۂ برقی قوت (ElectricForce) دیا۔ اس طرح کیمیائی ردعمل کی حرارتوں کا نظریہ، طاقت حرکیۃ کا نظریہ، صیانت قوت کا نظریہ اور نظریہ برقی قوت نے مل کر نظریہ میکانیکل اکویولینٹ آف ہیٹ (Mechanical Equivalent of Heat) دیا۔ اور ان تمام نظریات نے ان دو نظریوں کو جنم دیا جنہیں مادہ کا نظریۂ جدید (New Concept of Matter) اور قوت کا نظریۂ جدید (New Concept of Energy) کہتے ہیں جو بالآخر اساس بنی اس قانون کلی کی جسے قانون تھرموڈائنامکس یعنی مادہ اور قوت کے مابین تعلق کا نظریہ کہتے ہیں۔

(۲) حیاتیات وعمرانیات۔

(الف) علم طبقات الارض (Geology) میں نظریۂ تقویم طبقات الارض (Concept of Geological Time) نے نظریۂ وحدانی طریقۂ وقت (A Single Time Process) قائم کیا۔

(ب) علم حیاتیات (Biology) میں نظریۂ وحدت ذوی ارواح (Concept of Unity of All Living Things) نے نظریہ تفریق انواع (Differentiation of Species) دیا

(ج) نظریہ معاشرہ (Social Theory) میں تسابق برائے ارتقا (Competition Makes for Progress) کے نظریہ نے تنازع للبقا (Struggle for Survival) دیا۔

علم تاریخ میں نظریات ماحول (Theories of Environment) نے نظریۂ تفریق بر اسبب ماحول (DifferentiationBy Adoptation to Environment) دیا۔

لہٰذا اس طرح : علم طبقات الارض کے نظریہ وحدانی طریقۂ وقت نے حیاتیات کے نظریہ تفریق انواع سے مل کر نشو ئی فطری انتخاب کا نظریہ (Evolutionary Natural Selection) دیا۔ اور اسی طرح ۔
علم عمرانیات میں تنازع للبقا نے تاریخ کے نظریہ تفریق بر انتخاب ماحول سے مل کر (Survival of the fittest) کا نظریہ دیا۔ اور پھر اسی طرح ۔

نشوئی فطری انتخاب کے نظریہ نے Survival of the fittest کے نظریہ کے ساتھ مل کر اور اس کے تعامل سے اس نظریہ کو جنم دیا جسے ڈاروینیت یا (Darwinism) سے موسوم کیا جاتا ہے ۔

(۳) فنونِ لطیفہ (The Fine Arts)

فنون لطیفہ میں تالیف عناصر کے نتیجے ہیں ۔

(۱) شعبۂ بصر (Vision) کے تحت ایمار (Gesture) نے تمثیل (Drama) کے نظریات کو جنم دیا
(۲) اسی شعبۂ بصر کے تحت لون یا رنگ (Colour) نے ایک طرف مصوری (Painting) کے نظریئے دیئے تو دوسری طرف شعبۂ بصر کے نظریات سے مل کر فن تعمیرات (Architecture) کے نظریات دیئے ۔
(۳) شعبۂ صوت (Sound) کے تحت موسیقی نے آرکسٹریشن (Orchestration) کے نظریات دیئے ۔
(۴) شعبۂ صوت کے تحت شاعری (Poetry) نے نغمہ یا غنائیہ (Song) کے نظریات دیئے اور اس طرح شعبۂ بصر کے ڈراما، مصوری اور فن تعمیرات کے نظریوں نے شعبۂ صوت کے آرکسٹریشن اور نغمہ کے نظریوں سے مل کر اس تالیف عناصر کو جنم دیا جسے گرینڈ آپیرا (Grand Opera) کہا جاتا ہے ۔ اسے ہی فنون لطیفہ کی ویگنری تالیف عناصر (Wagnarian Synthesis of the Arts) کہتے ہیں ۔ فنون لطیفہ میں تالیف عناصر کا یہ عمل ویگنر (Wagner) کے الفاظ میں (GESAMTKUNSTWERK) یا فنون لطیفہ کی جملہ کاوشوں کی کلیت (A Totality of All Artistic Endeavour) کہلاتا ہے ۔

(۴) علم سیاسیات (Political Science)

یوں تو علم سیاسیات کے نظری اور عملی شعبے اصلاً علم انسانیات یا عمرانیات (Humanities or Social Sciences) کے حصے ہیں لیکن اس صدی میں اس علم نے زندگی کے بقیہ شعبوں کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ اس کا تذکرہ الگ کیا جانا ہی مناسب معلوم ہوا ۔ علم سیاسیات میں تالیف عناصر کا عمل مختلف نوعیت کا ہوا۔ اسے تالیفِ عناصر متضاد کہا جا سکتا ہے یعنی (Rival Synthesis) اس شعبے کے تحت ایک طرف لبرل ڈیماکریٹک اصولوں (Liberal Democratic Theory) کے تحت
تاریخی تجربہ (Historical Experience) جغرافیائی سرحدیں (Geographical Frontiers)

مشترک زبان (Common language) نسلی قربت (Racial Affinity) اور قدیم اساطیری ثقافت (Folk Legend Culture) نے مل کر مغربی تصور قومیت (Nationality) کو جنم دیا۔

(ب) واحد حکومت (One Government) سیاسی آزادی (Political Independence) خود ارادیت (Self-Determination) نے تصور خود مختاری (Sovereignty) کی تشکیل کی۔

اور اس طرح مغربی قومیت (Nationality) نے خود مختاری (Sovereignty) کے ساتھ مل کر تصور قوم (Nation) دیا۔ اسی طرح دوسری طرف۔

(ج) نظریہ مارکسیت (Marxist Theory) کی ابتدائی اشتمالیت (Primitive Communism) نجی ملکیت (Private Property) نے بورژوا سرمایہ داری (Bourgeois Capitalism) اور اس نے طبقاتی کشمکش (Class war) کے نظریات دیے۔

اور اس طرح لبرل ڈیماکریٹک نظریہ کے تحت نظریۂ قوم نے اور مارکسی نظریہ کے تحت طبقاتی کشمکش یا جنگ نے مل کر یا باہمی تعامل سے نظریۂ ریاست (Theory of State) کو جنم دیا اور یہی نظام دوراں کی روح ہے۔ عہد حاضر میں ان دو نظریوں کے تالیفی عمل کا نتیجہ نظریۂ اسریت اقوام (Family of Nations) ہے جس کی تجسیم کو اوائل بیسویں صدی میں League of Nations اور موجودہ زمانے میں مجلس اقوام متحدہ (UNO) کہتے ہیں۔

ایسے مسلم افراد، اجتماعیات یا ممالک جو اقوام متحدہ سے پُر امید و خوش گمان ہیں، اس کی ناکامیوں کے سلسلے میں مغربی ترقی یافتہ اقوام سے نالاں اور اس ادارے کی کامیابی کے متمنی اور اس کی تقویت کے لیے کوشاں ہیں۔ انہوں نے غالباً شاعر مشرق کے تبصرے کو محض شاعرانہ خیال قرار دیا ہو۔ جہاں شاعر نے کہا تھا کہ اس "داشتۂ پیرک افرنگ" کے ذریعہ عہد حاضر کے مغربی اقوام نے 'ملوکیت' عالم کا ایک 'خواب' دیکھا ہے۔

روحِ عصر

اس مختصر سی روداد سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عہد جدید کی اس جاہلیت خالصہ کی ہمہ گیری کس قدر بے نہایت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس معلومات کے بعد کہ اس نظام کی بنیاد میں توحید، رسالت اور آخرت کے انکار کا پتھر نصب ہے۔ یہ بات ظاہر و باہر ہو جاتی ہے کہ انسان کس انجام سے دوچار ہونے والا ہے۔ اس لیے کہ انکار توحید، رسالت اور آخرت انسان کو کن انتہاؤں تک بربری بنا سکتا ہے اور ان پتھروں سے چنی ہوئی فصیل کے اندر کا شہر کس قدر فساد انگیز و پُر فتن ہو سکتا ہے اس پر تاریخ انسانی بھی شاہد ہے اور کتاب اللہ بھی۔

انسانی زندگی خواہ بحیثیت فرد ہو یا اجتماعیت ، نصب العین کے بغیر ناقابل تصور ہے ۔ ہاں یہ بالکل جدا بات ہے کہ کوئی نصب العین کس قدر ارفع ہے اور کوئی کس قدر ارذل۔

عہد حاضر کے اس جاہلی نظام نے انسانی زندگی کو نصب العین سے ناآشنا نہیں رکھا ہے ۔ لیکن وہ نصب العین کیا ہے ؟ اور اس کی کیا حقیقت ہے ؟ اس پر لوگ کم ہی غور کرتے ہیں ۔

اس عہد میں انسان انفرادی اور اجتماعی حیثیتوں سے دو قسموں کے ہیں ۔ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ۔ گویا انسان چار حیثیتوں پر مشتمل ہے ۔ ترقی یافتہ ملکوں کا فرد ، ترقی پذیر ملکوں کا فرد ، ترقی یافتہ ملکوں کی اجتماعیت اور ترقی پذیر ملکوں کی اجتماعیت۔

اس طرح انفرادی رویئے سے انسانوں کی انفرادی حیثیت کا اظہار ہوتا ہے جب کہ حکومتی سطح کے رویئے سے اجتماعی حیثیت کا اظہار ہوتا ہے ۔

اس جاہلی نظام نے زندگی کی جملہ حیثیتوں کو سمیٹ لیا ہے اور دونوں طرح کے معاشرے میں پائی جانے والی ہر دو حیثیت کو ایک نصب العین دیا ہے ۔ بلاشبہ یہ نصب العین نہایت پُرکشش اور دل فریب ہے ۔ یہی سبب ہے کہ ہر خاص و عام فرد و اجتماعیت اسی نصب العین کے حصول میں سرگرداں ہے ۔

انفرادی سطح

انفرادی سطح پر اس نظام نے جو نصب العین باضابطہ طریقے سے انسانوں کو عطا کیا ہے اور جس کے اظہار کے لیے ایک مخصوص اصطلاح ایجاد کی گئی ہے وہ ہے "معیار رہائش میں بلندی" (High Standard of Living)- یہ ایک غیر معمولی اصطلاح ہے جو بجائے خود نصب العین کی غیر معمولی حیثیت اس کی گیرائی اور ہمہ جہتی کا پتہ دیتی ہے ۔ علم معاشیات و عمرانیات میں "معیار رہائش" کی تعریف کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے ۔

> "With reference to a person, family, or a body of people, It means the extent to which they can satisfy their wants. Thus if they can afford only the minimum amount of food, clothing, and shelter their standard of living is very low. If, on the other hand, they are able to enjoy a great variety of food, a good supply of good clothing, and live in a well-furnished house and in addition are able to satisfy a wide variety of other wants, then clearly such people are enjoying a high standard of living."
>
> (A Dictionary of Economics and Commerce: MacDonald & Evans Ltd., London).

ترجمہ :- فرد، خاندان یا لوگوں کے ایک گروہ کے حوالے سے اس کا مفہوم وہ حد ہے جہاں تک وہ اپنی

ضرورتوں کی تکمیل کر سکیں ۔ گویا اگر وہ صرف اپنی غذا، لباس، رہائش کی کم سے کم ضرورت پوری کر پاتے ہیں تو ان کا معیار رہائش نہایت گھٹیا ہے ۔ اگر دوسری طرف کوئی اس لائق ہے کہ وہ غذا کی ڈھیر ساری قسموں میں کسی قسم سے لطف اندوز ہو پاتا ہے جیسے لباس کے تعلق سے اچھے کپڑے کی فراہمی ہے ایک آراستہ گھر میں رہتا ہے اور اس کے علاوہ اپنی ضرورتوں کی مختلف متبادل صورتوں کی تکمیل کے قابل ہے تو یقیناً" ایسے لوگ اعلیٰ معیار رہائش والے ہیں ۔

لہٰذا اس نظام نے انفرادی سطح پر ہر فرد کو یہ نصب العین دیا ہے کہ اس کا معیار رہائش بلند ہو جائے اور یہ بلندی مطلق نہیں بلکہ مبہم، تسابقی اور اضافی ہے ۔

اب جہاں تک " معیار رہائش میں بلندی" کے نصب العین کا تعلق ہے تو ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کے افراد اپنی اپنی سطحوں سے حصول کی کوشش کرتے ہیں ۔ ترقی یافتہ ممالک کے افراد اس نصب العین کے حصول کی جدوجہد کرتے ہوئے اپنے معیار رہائش کو اس سطح تک بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا تذکرہ ذیل میں کیا گیا ہے ۔

"With the rising of real income of the great mass of people and the virtual abolition of poverty a time arrives when most of them can satisfy their basic wants and still have money with which to buy other things."

(A Dictionary of Economics and Commerce: MacDonald & Evans Ltd., London).

ترجمہ : ۔ آبادی کے بہت بڑے حصے کی حقیقی آمدنی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اور افلاس کے واقعی خاتمے کے بعد ایک گھڑی ایسی آجاتی ہے کہ لوگوں کی کثیر تعداد اپنی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کر لینے کے بعد بھی اس حالت میں رہے کہ اُن کے پاس پیسہ اتنا بچ رہے کہ وہ دوسری اشیا خرید سکیں ۔

گویا پروفیسر گالبریتھ (Prof.J.K.Galbraith) کی اصطلاح میں ہر فرد جو کسی ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ملک میں رہتا ہے یہ چاہتا ہے کہ وہ 'Affluent Society' کا ایک فرد ہو ۔

انفرادی طور پر ہر فرد خواہ وہ ترقی یافتہ ملک سے تعلق رکھتا ہے یا ترقی پذیر ملک سے مذکورہ حالت میں رہنا چاہتا ہے ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ترقی یافتہ ممالک جہاں مادی، مالی اور فنی وسائل نسبتاً زیادہ ہیں وہاں کے افراد اپنی موجودہ سطح سے اوپر کی طرف رخ کرتے ہیں اور ترقی پذیر ممالک جہاں مذکورہ وسائل نسبتاً" کم ہیں یا ان پر ان کا اختیار اس درجے کا نہیں ہے جس درجے کا اختیار ترقی یافتہ ملکوں کے اندر پائے جاتے

(بقیہ صہ ۲۹ پر)

سلسلۂ مطبوعات مؤتمر المصنفین (۳۸)

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

ترتیب

مولانا عبدالقیوم حقانی

رفیق "مؤتمر المصنفین" و اُستاذ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جناب مُدیر "الحق" مولانا سمیع الحق کے سوالنامہ کے جواب میں مشائخ، مشاہیر علماء، ممتاز سکالرز، دانشوروں اور قومی و ملی زعماء کے علمی و مطالعاتی تاثرات اور مشاہدات پر مبنی وقیع مضامین کا مجموعہ،

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رح
مولانا سید محمد یوسف بنوری رح
مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم
مولانا شمس الحق افغانی رح
شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید
مولانا ظفر احمد عثمانی رح
مولانا اطہر علی بنگلہ دیشی
قاضی زین العابدین میرٹھی
مولانا محمد ابراہیم فانی مجددی
مولانا سمیع الحق مدظلہ
مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی
مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی
پروفیسر محمد اشرف پشاور
مولانا لطافت الرحمٰن
مولانا محمد اسحاق سندیلوی
مولانا عبدالقدوس ہاشمی
علامہ مولانا مار تونگ
ڈاکٹر محمد صغیر حسن
ڈاکٹر حمید اللہ پیرس
ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مُؤتمر المُصنّفین

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، سرحد (پاکستان)

حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر

شہزادہ چارلس کی حقیقت پسندی

مسلمان حکمرانوں کے لیے تازیانہ عبرت

برطانیہ کے ولی عہد شہزادہ چارلس نے برطانوی عوام پر زور دیا ہے کہ وہ اسلام سے سبق لیں اور اس کے بعض روحانی عقائد کی قدر کریں جن سے مسلمان ممالک اور مغرب کے درمیان ایک پل کا کام لیا جا سکتا ہے جو عظیم بین الاقوامی رول ہوگا انہوں نے کہا کہ یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ہم میں اسلام سیکھنے کی آمادگی ہیں ہوگی اور ہم اپنے فطری نظریہ علمیت کو بیدار ذہانت کے ساتھ روحانی کی اہمیت سے متوازن نہیں کریں گے۔ ہزادہ چارلس دنیا میں برطانیہ کے مقام کے عنوان سے ایک کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے (جنگ لندن ۲۱ رچ ۹۵)

برطانوی ولی عہد شہزادہ چارلس دنیا کے اکثر ممالک کا دورہ کر چکے ہیں۔ اس دورے میں ان ممالک کے ہبی رہنماؤں سے ملاقات اور ان سے تبادلۂ خیالات کا انہیں موقع ملا پھر ان ممالک کے مذہبی عقائد و خیالات ر ان کے مذہبی رسم و رواج کو بھی انہوں نے بڑے قریب سے دیکھا۔ لیکن موصوف کے فاضلانہ خطاب سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی عقائد اور اس کی روحانی تعلیمات نے موصوف کے دل و دماغ پر بہت گہرا اثر لا ہے اور موصوف اسلام سے اس قدر متاثر ہوئے ہیں کہ اس کے روحانی عقائد اور اس کی خوبیوں کے ، اعلان اظہار میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتے شہزادہ چارلس نے اس سے قبل بھی اسلام کے بارے میں پنے خیالات کا بڑے بلیغ اور اچھے انداز میں اظہار کیا ہے موصوف کی ۲۷ اکتوبر ۹۳ (کو آکسفورڈ یونیورسٹی میں طالعہ اسلام مطالعہ اسلام کے مرکز کی سرپرستی قبول کرنے کے بعد) کی تقریر اس لحاظ سے بہت اہم اور تاریخی ہی جاتی ہے کہ برطانیہ کی تاریخ میں پہلی بار کسی ولی عہد نے اسلامی عقائد اور اس کے روحانی اقدار کو زبردست راج عقیدت پیش کیا اور اسلامی تعلیمات کی پاکیزگی کا کھلے دل سے اعتراف کیا شہزادہ چارلس کا یہ فاضلانہ اب برطانیہ کے انگریزی اخبارات میں بھی شائع ہوا۔ اس کے کچھ اقتباسات آپ بھی ملاحظہ کرلیں۔

شہزادہ چارلس نے کہا کہ قرآن کریم نے خواتین کو جو حقوق تیرہ سو سال قبل دیئے تھے مغرب کے لوگ

بیسویں صدی کے آغاز میں ان کا تصور تک نہیں کر سکتے تھے انہوں نے کہا کہ برطانوی ابلاغ عامہ نے غلط طور پہ یہ تاثر عام کیا ہے کہ اسلامی قوانین بے رحمانہ اور غیر انسانی ہیں حالانکہ قرآن انسانی مساوات اور رحم کی تعلیم دیتا ہے جو اسلام کے شرعی قوانین کی روح ہے مغرب کو چاہیئے کہ وہ اسلام کے اصل پیغام کو جاننے کی کوشش کرے اور سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے جو کچھ کہا جارہا ہے اس پر کان نہ دھرے شہزادہ چارلس نے یہ باتیں آکسفورڈ سنٹر برائے اسلامک اسٹڈیز میں اسلام اور مغرب کے موضوع پہ اظہار خیال کرتے ہوئے کہیں۔ انہوں نے دین اسلام دنیائے اسلام اور اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار اور پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے انسانی تاریخ میں مسلمانوں اور دین اسلام کی سنہری اور گرانقدر خدمات کا ذکر کیا انہوں نے کہا کہ میرا یہ یقین ہے کہ مغرب اور دنیائے اسلام کے درمیان رابطے کی جتنی ضرورت آج ہے آج سے قبل کبھی نہ تھی اور ان دونوں کے درمیان غلط فہمیاں ایک خطرناک حد تک پہنچ گئی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہ صرف عالمی سطح پہ بلکہ برطانیہ میں دین اسلام سے عامۃ الناس کی دلچسپی روز افزوں ہے۔ اسلام ہمارے ہر جانب ہے۔ انہوں نے کہا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ مغرب نے اسلام کو ہمیشہ ایک مخالف قوت اور ایک ممکن دشمن کی نگاہ سے دیکھا ہے اور مغرب کی اسلام شناسی دنیائے اسلام میں ہونے والے سیاسی ہنگاموں سے متاثر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ اہم ہے کہ ہم لفظ انتہا پسند کے معنی اور اس کے استعمال کا بھی بغور جائزہ لیں ہر سچا مسلمان جو مادی زندگی پر روحانی زندگی اور روحانی قوت کا یقین رکھتا ہے اور دنیا میں بڑھتی ہوئی مادیت پرستی سے بیزار ہو کر مذہب کی طرف راغب ہو جاتا ہے اس پر انتہا پسند کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مغرب میں اسلام سے متعلق بے انتہا لاعلمی نہیں پائی جاتی ہے بلکہ دین اسلام اور مسلمانوں کا مغرب اور مغربی تہذیب پہ بے کراں احسانات کی جانب سے بھی شدید بے علمی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام اور مسلمانوں نے مغرب میں آکر ہمیں سائنس تاریخ تحقیق فلسفہ اخوت اور معاشرتی ترقی کے تمام عوامل سے روشناس کر دیا درحقیقت اسلام نے ہی مغرب میں علم اور علمی روایات کی آبیاری کی اسپین میں مسلمانوں کا دور بلاشبہ ایک منفرد اور عظیم دور تھا ...... الخ (جنگ لندن ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۹۳ء)

شہزادہ چارلس ملکہ برطانیہ کے بڑے صاحبزادے ہیں ملکہ برطانیہ ایک عیسائی فرقہ CHURCH OF ENGLAND کی سربراہ ہیں اور عیسائیت کی محافظ DEFENDER OF THE سمجھی جاتی ہیں شہزادہ چارلس کے تخت نشین ہوتے ہی یہ بھاری بوجھ ان کے سر آنے والا ہے لیکن موصوف اس موقف سے اتفاق نہیں کرتے کہ وہ صرف ایک ہی مذہب کے محافظ ہوں ان کا کہنا ہے کہ برطانیہ میں چونکہ مختلف مذاہب کے پیروکار آباد ہو چکے اور یہاں کے شہری بن چکے اس لیے وہ تمام مذاہب کے محافظ DEFENDER OF THE ALL FAITH بننا پسند کرتے ہیں۔ برطانیہ کے عیسائی

رہنماؤں نے شہزادہ کے اس بیان پر گہری تشویش ظاہر کی ہے اور انہیں شدید تنقید کا نشانہ کا بنایا ہے۔

شہزادہ چارلس کے اسلام کے بارے میں جو بیانات سامنے آرہے ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام اور اسلامی اقدار کے بارے میں موصوف کی سوچ مغرب کے دوسرے رہنماؤں سے بہت مختلف ہے۔ مغربی مفکرین اسلام اور عیسائیت کے درمیان ایک ایسی کشمکش پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں جس سے اسلامی عقائد اور اس کی اخلاقی تعلیمات مغرب کی اداس نسلوں کو کوئی پیغام سکون نہ دے سکیں اس کے برعکس شہزادہ چارلس کی کوشش ہے کہ اسلامی دنیا اور مغربی دنیا میں مفاہمت کی فضا پیدا ہوجائے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب مغربی دنیا تعصب و تنگ نظری کے بجائے وسعت قلبی کے ساتھ اسلام سیکھنے پر آمادہ ہوجائے اور پھر وہ دن دور نہیں جب عیسائی دنیا اپنے مذہب کے تسلسل میں اس کے آخری مظہر کو تسلیم کرلے یہ ان کا اس نازک وقت میں اسلام کی آغوش میں پناہ لینا ہوگا۔ یہ قرآن کی پیشن گوئی اور اس کا فیصلہ ہے۔

وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته (پ ۶ النساء)

(ترجمہ: اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے سو (حضرت عیسیٰ) پر یقین لاویں گے اس کی موت سے پہلے۔)

ہم شہزادہ چارلس کو ان کے فاضلانہ خطاب اور اسلام کے بارے میں جرأت مندانہ بیان دینے پر خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ برطانیہ کے غیر مسلم عوام بھی ان کے اس بیان کی روشنی میں اپنے انداز فکر میں تبدیلی اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کرے گی۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ آج کئی مسلم حکمران اسلامی عقائد و احکام کو کھلم کھلا تنقید کا نشانہ بنا رہے ہے اور غیر اسلامی بیان دینا موجودہ دور کی سب سے بڑی ضرورت سمجھتے ہیں اور ایک یہ لوگ ہیں جو اپنے ہی لوگوں کو اسلامی عقائد اور اس کے روحانی اقدار سے سبق حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں کاش کہ موجودہ مسلم حکمران وقت کی نبض پر ہاتھ رکھیں اور اسلام کے سنہری اصولوں کا دامن تھام کر غیر مسلم پر اسلام کی صداقت و حقانیت ثابت کرکے انہیں اسلام کے قریب آنے کا موقع فراہم کریں۔

یاد رکھئے عزت و شوکت اسلام ہی وابستہ ہے نہ کہ غیر اسلامی انداز و اطوار اپنانے سے سیدنا حضرت عمر فاروق رضؓ کا یہ ارشاد گرامی ہر وقت سامنے رہنا چاہیئے۔ نحن قوم اعزنا الله بالاسلام

پنجابی میں نماز کے جواز کا فتویٰ

اسلام کی تعبیر کا اجارہ دار کون ؟

گذشتہ دنوں پھر سے مغرب زدہ طبقہ کے بعض انتہا پسند افراد نے یہ راگ الاپنا شروع کر دیا ہے کہ نماز عربی کے بجائے پنجابی میں پڑھنی چاہیے ہم اس وقت نفس مسئلہ اور اس کے علمی اور تحقیقی پہلو سے گفتگو نہیں کرنا چاہیے کہ یہ اس قدر واضح معروف اور دلائل و براہین سے قطعی ہے کہ اس کی مزید توضیح کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح یہ بات بھی قطعی اور واضح ہے کہ یہ خالص فقہی، شرعی اور دینی مسئلہ ہے اور اس کے بارے میں فتویٰ اور تشریح و توضیح کا حق بھی ان لوگوں کو حاصل ہونا چاہیے جو علم دین کی تحصیل اور خدمت و تدریس میں اپنی زندگیاں کھپا چکے ہیں۔ ہمیں اعتراف ہے اسلام کی تعبیر بلاشبہ "علماء" کی اجارہ داری نہیں مگر اس تعبیر کے لیے علم و واقفیت اور فکر و عمل کی اہلیت تو درکار ہے۔ دنیا میں کونسا ایسا علم و فن ہے جس میں ہر کس و ناکس کو اس کا ضروری علم حاصل کیے بغیر تعبیر کا حق دے دیا جاتا ہے۔

کیا فوج کے معاملات میں کسی ایسے شخص کو بولنے کا حق دے دیا جائیگا جو فوجی تنظیم و ترتیب اور فن حرب سے کوئی واقفیت نہ رکھتا ہو؟ کیا قانون کے معاملات میں غیر قانون دان، اور ڈاکٹری کے معاملات میں غیر ڈاکٹر یا مالیات کے مسائل میں عام راہ چلتے کی رائے کو کوئی وزن دیا جائے گا؟ پھر دین کے معاملے میں ان لوگوں کی رائے کیسے وقیع ہو سکتی ہے، جو نہ دین کا علم رکھتے ہیں نہ اسکے مطابق عمل کرتے نظر آتے ہیں؟ دین کی تعبیر کیلئے اہلیت کی اولین شرط یہ ہے کہ آدمی قرآن و سنت کا اتنا علم رکھتا ہو کہ وقت کے پیش آمدہ مسائل میں خدا اور اسکے رسولؐ کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کر سکے۔ اور دوسری اتنی ہی اہم شرط یہ ہے کہ وہ عملاً اسلام کی پیروی کرنے والا ہو اور اس پر خود اس کی زندگی گواہی دے رہی ہو۔ جن لوگوں میں یہ دونوں ہی شرائط مفقود ہوں، جنہوں نے اسلام کو جاننے اور سمجھنے میں اپنی عمر عزیز کا ہزارواں حصہ بھی نہ صرف کیا ہو اور جو اپنی عملی زندگی میں فرائض تک کے پابند نہ ہوں، ان کا یہ حق آخر کیسے مانا جا سکتا ہے کہ وہ اسلام کی تعبیر کریں اور لوگ اسے چون و چرا مان لیں؟ ظاہر بات ہے کہ اسلام کی تعبیر کا مقصد وقت کے تقاضوں کو اسلام کے مطابق ڈھالنا ہے نہ کہ اسلام کو وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا۔

جو لوگ بچارے خود وقت کے تقاضوں میں ڈھلے ہوئے ہیں، اور صرف وقت کے ان تقاضوں ہی کو جانتے ہیں، اسلام کی الف ب تک نہیں جانتے، انکے متعلق کوئی بگڑے سے بگڑا مسلمان بھی نہیں مان سکتا کہ وہ اسلام کی صحیح تعبیر کرنے کے اہل ہیں۔ "عوام کالانعام" تو درکنار، اگر اس ملک کے صرف گریجویٹوں اور پوسٹ گریجویٹوں کی رائے بھی کسی ریفرنڈم کے ذریعہ سے معلوم کی جائے تو انکی کم از کم ۹۰ فی صد تعداد اس مغرب زدہ طبقے کو اسلام کے معاملہ میں اتھارٹی ماننے سے انکار کر دے گی۔

جناب ڈاکٹر گل حسن لغاری صاحب

سندھ میں علمِ سیرت کا ارتقا

سیرت عربی زبان کا لفظ ہے اور سیرت کی جمع سیر ہے جس کے لفظی معنی عادت، حالت اور چال چلن کے ہیں۔ فنی لحاظ سے "علم السیر" ایک علم ہے جسے "المغازی" بھی کہا جاتا ہے۔

"مغازی" میں امام زہری کو سب سے پہلے مصنف شمار کیا جاتا ہے، لیکن سیر اور مغازی میں سرزمینِ سندھ کے پہلے محدث امام ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی (وفات ۱۷۰ھ) ہیں۔ انہوں نے "کتاب المغازی" تحریر کی تھی جو کہ ایک سندھی عالم کی سیرت پر پہلی کتاب ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب اس وقت ناپید ہے۔ ان کی روایتیں مؤلف کے شاگردوں اور ان کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

مکاتیب النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ و دعوتِ اسلام کے سلسلے میں جو خطوط لکھے، ان کو ایک کتاب میں جمع کیا گیا ہے اور یہ بھی سیرت کا ایک حصہ ہیں۔ تیسری صدی ہجری کے عالم امام ابوجعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی نے اس کتاب کو تالیف کیا۔ یہ کتاب اصل متن اور سندھی ترجمے کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ کے تعاون سے شائع کی جا رہی ہے۔ امام مسعود بن شیبہ بن حسن سندھی کی "کتاب التعلیم" اور "مقدمہ کتاب التعلیم" جو امام ابوحنیفہ کے تعلیمی نظریے کی وضاحت کے لیے لکھی گئی تھی، ان میں سے مؤخر الذکر "مقدمہ کتاب التعلیم" سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

سندھ کا قدیم مذہبی سرمایہ

سندھ کے قدیم مذہبی سرمایہ میں تاریخی اور بنیادی معلومات کو نگاہ میں رکھ کر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ساری دنیا میں سب سے پہلے قرآنِ مجید کا ترجمہ "سندھی زبان" میں سندھ کے ہباری قریش خاندان کے دور میں ہوا اور برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے حضرت مخدوم نوحؒ ہالا سندھ (وفات ۱۵۹۰ء) کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ انہوں نے قرآن شریف کا فارسی ترجمہ کیا۔ یہ دونوں ترجمے سیرت پاک کے لحاظ سے اوّلین سرچشمہ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق سندھ میں تین کتابیں لکھی گئی ہیں: مثلاً (۱) شرح مشکوٰۃ از مخدوم عبدالعزیز (ساکن کاہان، ضلع دادو سندھ) یہ عربی میں تھی جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی "لمعات" (فارسی) کا ماخذ ہے (۲) حواشی متین

فارسی (فارسی) از قاضی محمود (ساکن ٹھٹھہ سندھ) اور (۳) شرح اربعین (فارسی) از مخدوم رکن الدین ٹھٹھوی۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (۱۶۹۰ء - ۱۷۶۱ء) کی خدمات قابلِ تعریف ہیں۔ وہ ایک بلند پایہ عالم، فقیہ، مفسر، مبلغ اسلام اور شاعر تھے۔ انکی کتابیں پرانے زمانے کی طرز کی سندھی نظم میں لکھی گئی ہیں، کیونکہ وعظ کے دوران نظم کو لوگ زیادہ پسند کرتے تھے۔ مخدوم صاحب نے جوانی کے زمانے سے ہی تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا اور انہوں نے عربی، فارسی اور سندھی میں تقریباً ایک سو پچاس کتابیں لکھیں، جن میں سے مندرجہ ذیل کتابیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق آج بھی بطور سند پیش کی جا سکتی ہیں۔

(۱) بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ: عربی میں سیرت النبیؐ کے متعلق برصغیر میں یہ شاید پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں ہجرت سے پہلے سال بہ سال کے واقعات ترتیب وار لکھے گئے ہیں۔ حصہ دوم کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، جس میں غزوات، سرایا اور دوسرے واقعات ثابت ہیں۔ مؤلف نے یہ کتاب ۵ ذی الحجہ ۱۱۶۶ھ میں شروع کی اور ۴ صفر ۱۱۶۸ھ میں ختم کی۔ یہ کتاب سندھ ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ نے مرحوم مخدوم امیر احمد کے مقدمے کے ساتھ شائع کی ہے، جس کا سندھی ترجمہ "الرحیم" (حیدرآباد سندھ) اور اردو ترجمہ ماہنامہ "بینات" (کراچی سندھ) سے شائع ہو رہا ہے۔

(۲) حدیث الصفا فی اسماء المصطفیٰ (عربی): اس کتاب میں آنحضرتؐ کے گیارہ سو اکیاسی نام پیش کیے گئے ہیں۔ ہر ایک نام کی فضیلت اور برکت بھی بیان کی گئی ہے۔

(۳) وسیلۃ الفقیر بشرح اسماء الرسول البشیر (فارسی): یہ کتاب حدیث الصفا کی شرح ہے۔

(۴) خمسۃ قصائد (عربی): اس کا ایک نادر نسخہ جناب مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب (حیدرآباد) کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔

(۵) وسیلۃ الغریب الی جناب الحبیبؐ (فارسی): اس کتاب میں اہلِ بیت کے فضائل قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے دو نادر نسخے مؤلف کے خط میں موجود ہیں، ایک نسخہ جناب مولانا قاسمی صاحب اور دوسرا نسخہ جناب قاضی غلام محمد قریشی ہالاکنہ کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔

(۶) ذریعۃ الوصول الی جناب الرسولؐ (فارسی): یہ کتاب مؤلف کے خط میں آفسٹ پر "مہران آرٹ کونسل" حیدرآباد نے شائع کی ہے اور اس میں درود نبی کریم کی فضیلت کے متعلق احادیثِ ماثورہ، موقوفہ، آثارِ تابعین وغیرہ کا ذکر ہے اور معتبر کتابوں سے حوالے دیے گئے ہیں۔

(۷) قوت العاشقین (سندھی میں منظوم) سن تالیف ۱۱۴۲ھ (فہرست نمبر ۱)۔ برصغیر کی رائج زبانوں میں سیرت پاک پر یہ پہلی کتاب ہے جو کہ سندھی زبان میں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نے تحریر فرمائی۔ اس کتاب میں صرف معجزات

رسولِ اکرمؐ پر تحقیق کی گئی ہے اور آپ کے ایک سو ساٹھ معجزے پوری تحقیق اور سند کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، جیسے مولف خود فرماتے ہیں :-

جیکے معجزا ہن سندھی ہیں میرے موں آکھیا — سے آہن ہیکڑو سو سٹھ معجزیں مجمل طریقا

جیطی معجزا ہن سنڌي ۾ ميڙي مون آکيا — سي آهن هيڪڙو سو سٺ معجزين مجمل طريقا

ہاشم جیہڑے حقیر سیں کریں عفو عطا — نالا ئقن نصیب کریں شارع شفاعتا

هاشم جهڙي حقير سين ڪريں عفو عطا — نالائقن نصيب ڪرين شارع شفاعتا

اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مدح رسول کریمؐ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

کنزا لعبرت : یہ مخدوم عبداللہ نریؔ کچھ والے کی تالیف ہے۔ اس کی پہلی جلد میں رسول کریمؐ کے معراج پر جانے کے واقعہ کی تفصیل، کافروں سے جنگیں، حضور اکرمؐ کی شجاعت کی تفصیل ملتی ہے اور دوسری جلد میں حج کی حقیقت، بیت اللہ کی تعمیر کے متعلق حقائق، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت، آپؐ کی رحلت، نبی کریمؐ کی ازداجِ مطہرات کی تفصیل، رسولِ اکرمؐ کی اولاد اور اصحاب کرام کی اولاد کا ذکر ہے۔

دراصل "کنز العبرت" سیرتِ پاکؐ پر معلومات کا ایک خزانہ ہے اور مستند کتب حدیث و تاریخ سے ماخوذ ہے۔ یہ کتاب دوبارہ لیتھو پر شائع ہوئی ہے جس کا مقدمہ جناب مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب نے لکھا ہے۔ مولوی حاجی عبداللہ بخاری صاحب مرحوم نے اس کا کچھ حصہ جدید سندھی ٹائپ میں شائع کرایا ہے۔

ثمرا لمنیر، (فہرست نمبر ۲) : یہ مخدوم عبداللہ کی دوسری کتاب ہے اور یہ عربی زبان کی کتاب "شرح سراج المنیر" کا منظوم سندھی ترجمہ ہے اور بمبئی سے ۱۴ ربیع الثانی ۱۲۶۰ھ / ۱۲ مئی ۱۸۴۴ء میں شائع ہوئی۔ چونکہ مخدوم عبداللہ عاشقِ رسولؐ تھے اس لیے اس کتاب میں پُر نزاکت تشبیہوں، استعاروں اور تمثیلوں کا زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔

مخدوم صاحب کی ایک دوسری کتاب "مجموعہ" بھی لیتھو پر شائع ہوئی ہے، جس میں چھوٹے چھوٹے کتابچے ہیں، ان میں سے ایک "غزوات" ہے جو رسول اکرمؐ کی جنگوں کے متعلق ہے اور دوسری کتاب "شجاعت سیدانام" ہے جس میں رسولِ اکرم کی جسمانی طاقت اور قوت کا ذکر کیا گیا ہے۔

سیر بستان : یہ کتاب سندھی نظم میں مولانا محمد حسین فرنگ زادے کی فارسی کتاب "قصص الانبیاء" کا ترجمہ ہے اور ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسولِ مقبولؐ تک قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ سے اخذ شدہ معلومات دی گئی ہیں اور ان کے حوالے سے اخلاقی نصیحتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ یہ کتاب پوربندر (کاٹھیاواڑ) سے شائع ہوئی تھی۔

شمائلِ نبویؐ: (فہرست نمبر ۴- نمبر ۱۱۱): یہ تیسری صدی کے مشہور محدّث امام ترمذیؒ کے شمائل النبیؐ (عربی کتاب) کا منظوم سندھی ترجمہ ہے۔ یہ کتاب عربی مدارس کے نصاب میں داخل ہے اور اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اس میں رسولِ اکرمؐ کے اخلاق، عادات، صورت و سیرت کا ذکر ہے۔ کتاب کی عبارت، قدیم سندھی نظم میں ہے۔

اس کے علاوہ مولانا دین محمد بنوی مرحوم نے بھی سندھی ترجمہ شمائلِ نبویؐ کے نام سے سندھی نثر میں کیا ہے لیکن یہ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ اس کے بعد ہمارے دور کے ایک عالم دین مولانا عبدالکریم پیر والے نے "شمائل" کا سندھی نثر میں ترجمہ کر کے اس کی مفصل شرح بھی سندھی نثر میں لکھی ہے۔ یہ کتاب دو مرتبہ شائع ہو چکی ہے اور "فضائل النبی، ترجمہ شمائل الترمذی" کے نام سے مشہور ہے (دیکھیے فہرست نمبر ۱۳۹)

"مشکاۃ المصابیح" "مٹیاری" قصبے کو سرزمینِ سندھ کی قدیم درس گاہوں میں علم و دین کا مرکز تسلیم کیا جاتا ہے اور یہ قصبہ حیدر آباد سے تقریباً ۲۱ کلومیٹر دور، قومی شاہراہ پر واقع ہے یہاں کے عالم و بزرگ مخدوم محمد عثمان بن عبداللہ نے علم حدیث کی بڑی خدمت کی۔ مشکوۃ شریف سے حدیثیں منتخب کر کے دو سو چھیانوے بابوں پر مشتمل فارسی میں شرح لکھی جس کا نام "بیان معانی احادیث منتخبہ از مشکوۃ المصابیح" ہے۔ یہ کتاب ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۰۰ھ کو مکمل کی گئی۔

مخدوم محمد عثمان نے بروز پیر ۲۳ شوال ۱۲۱۷ھ کو "صحیح بخاری" کا بھی نصف سے زیادہ حصہ فارسی میں مکمل کر لیا تھا۔ یہ مسودہ آج بھی موجود ہے جس میں مخدوم محمد اکرم نصیر پوری کی شرح سے تلخیص بھی نقل کی گئی ہے۔ اسی طرح مخدوم صاحب نے "شمائل ترمذی" کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔

ذبۃ الموالید (عربی) یہ تالیف دائرہ شریف (اوڈیرو لعل ضلع سانگھڑ سندھ) کے سید علی محمد شاہ (۱۲۲۶ھ- ۱۲۸۷ھ) کی ہے اور یہ کتاب ۹ ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ میں لکھی گئی۔ اس کتاب میں حضور اکرمؐ کی ولادت اور سیرت کا ذکر ہے۔

تجرید بخاری: برصغیر میں سب سے پہلے "تجرید بخاری" کا سندھی ترجمہ مولانا دین محمد وفائی مرحوم نے کیا اور اس عظیم کتاب کا اردو یا دوسری زبانوں میں ترجمہ بعد میں ہوا۔ یہ کتاب سکھر کے حکیم عبدالحق مرحوم نے "لیتھو پر" الہام باری ترجمہ تجرید بخاری" کے نام سے شائع کی ہے۔

قصیدہ بردہ: یہ علامہ بوصیریؒ کا مشہور نعتیہ قصیدہ ہے۔ اس میں رسول کریم کی سیرتِ طیبہ کا ذکر بڑی محبت کے ساتھ کیا گیا ہے اور یہ قصیدہ بہت مقبول ہے اور اس کی شرحیں اور ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

سندھ میں بھی یہ قصیدہ مقبول عام رہا ہے اور سندھ میں سب سے پہلے مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی مرحوم نے اس کی مبسوط شرح لکھی۔ مخدوم محمد شفیع پاٹائی نے اس کا منظوم سندھی ترجمہ کیا۔ اس کے بعد سندھی لغت کے ماہر مولوی علی محمد مہیری نے اس کا سندھی نثر و نظم میں ترجمہ کیا جو بہت پہلے بمبئی سے شائع ہوا۔ اس کے بعد ضلع لاڑکانہ

کے مشہور ادیب اور شاعر مولوی عبداللہ اثر چانڈیو بلوچ مرحوم نے اس قصیدے کا عروضی شاعری میں سندھی منظوم میں ترجمہ کیا جو کہ غالباً ۱۹۵۰ء میں کراچی کے ناشر بشیر اینڈ سنز نے بہترین عربی سندھی ٹائپ میں شائع کیا، جس پر سندھ کے دو بڑے علماء مولانا غلام رسول صاحب، پیڑو چانڈیو اور مولوی غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب کی علمی تقریظ موجود ہے۔ یہ مطبوعہ نسخہ اب نایاب ہے۔ فقیر علی محمد قادری (ڈوکری والے) کا ترجمہ ان کے فرزند میر محمد نے "بحر الاسرار قادری" کے نام سے شائع کیا۔

قصیدہ بانت سعاد: یہ ایک دوسرا مشہور عربی قصیدہ ہے جس کو ایک حکایت کے مطابق رسول کریمؐ نے اس طرح پسند فرمایا کہ اس کے پڑھنے والے یعنی کعب بن زہیر کو اپنی چادر پہنائی تھی۔ اس قصیدے کا سندھی منظوم ترجمہ مولوی عبداللہ اثر چانڈیو مرحوم نے کیا، لیکن اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔

مولود: "مولود" ایک مخصوص نام ہے جو کہ سندھ والوں کا رائج کردہ ہے، ویسے "مولود" عربی میں (جمع موالید) نئے پیدا شدہ بچے کو کہتے ہیں۔ مثلاً بچہ یا طفل، لیکن آنحضرتؐ کی ولادت اور ورود انسان کی بھلائی و بہبودی کے لیے اہم پیش خیمہ تھا اور حضور اکرمؐ کی محبت اور عقیدت رکھنے والوں نے اپنے عقیدے کے جذبات کے لحاظ سے اس دنیا میں کسی کا پیدا ہونا یا ورود تسلیم کیا تو صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ بابرکات کا ہی تسلیم کیا، اس لیے سندھ والوں نے نبی کریمؐ کی پیدائش اور ولادت کو صفت و ستائش کا مرکز محور قرار دیا اور آنحضرتؐ کی شان میں لکھے ہوئے شعر کو "مولود" کہا۔ "مولودوں" میں حضور اکرمؐ کی پاک زندگی کے بعض واقعات بھی بیان کیے ہیں، مثلاً آپ کی شادیاں، آپ کے معجزے اور اس کے علاوہ نصیحتیں بھی دی گئی ہیں۔

سندھ کے قدیم شعرا جن کے کلام میں "مولود" کی صفت ملتی ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ میوں شاہ عنایت رضوی

۲۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی (۱۱۰۲ھ - ۱۱۶۵ھ)

۳۔ مخدوم عبدالرؤف بھٹی (۱۰۹۴ھ - ۱۱۶۶ھ)

۴۔ مخدوم غلام محمد بگائی

۵۔ مخدوم محمد اسماعیل پریاں لوئی (وفات ۱۱۷۴ھ)

ہالا کہنہ (ضلع حیدر آباد) کے مخدوم عبدالرؤف بھٹی (۱۶۸۲-۱۷۵۲ء) کے لکھے ہوئے "مولود" سندھ کے کونے کونے میں مشہور و مقبول ہیں اور ہر جگہ پڑھے جاتے ہیں، ان کی مدحتیں بھی مشہور ہیں۔ یہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے "مولود" کے عنوان کو وسعت دی۔ نبی کریمؐ کی ثنا، آپ کی مولود محبت، شفاعت کی طلب اور امید، حاجیوں کی حج کو روانگی کا ذکر وغیرہ، مخدوم صاحب کے عنوان ہیں۔ مخدوم کا مجموعہ "مولود شریف" سندھی ادبی بورڈ نے شائع کیا ہے۔

(دیکھیے فہرست ۹۷) اس صنف کے مختلف شاعروں کے کہے ہوئے مولودوں کا مجموعہ بھی سندھی ادبی بورڈ نے لوک ادب کے سلسلے میں شائع کیا ہے (دیکھئے فہرست نمبر ۹۱ نیز فہرست میں دیکھیے نمبر ۸۵-۹۴، ۹۶)

مدح ومناجات: "مولود" کی طرح "مدح" اور "مناجات" بھی سندھی نظم کی قدیم اور مقبول صنف ہے۔ "مدح" بھی معنوی لحاظ سے "نعت" یا "ثنا" کے برابر ہے۔ "مدح" کہنے والے شاعر کو سندھی میں "مداحی" کہتے ہیں۔ سندھی میں "مناجات" بھی "مدح" کی طرح ایک خاص صنف ہے، جس میں شاعر اپنی تکالیف، دکھ درد اور حالت زار کے متعلق درگاہِ ایزدی میں عجز وانکساری کرتا ہے، اور اپنی مشکلات کے حل کے لیے سوال کرتا ہے، یا شاعر اپنی ذاتی عقیدت ومحبت کی بنا پر نبی کریمؐ اصحاب کرام یا کسی ولی اور درویش کو پکارتا ہے۔ "مناجات" میں خداوند تعالیٰ کی تعریف، آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کی مدح یا کسی ولی اور درویش کی تعریف کی جاتی ہے۔ مجموعی طور پر "مدح" میں ثنا وتعریف اور "مناجات" میں مشکلات کے حل کا عجز غالب ہوتا ہے۔ (فہرست نمبر ۸۰)

مناقبا: لفظ "مناقبہ" (سندھی میں "مناقبو") اصل میں عربی لفظ "منقبة" (جمع "مناقب") جس کے معنی ہیں نیکی، درجہ، منزل یا گُن۔ سندھی میں "مناقبو" خاص معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس نظم کی صنف میں نبیوں، صحابہ کرامؓ یا ولی اور درویش کے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں۔ "مناقبا" کے عنوان سے جو سندھی لوک ادب کے سلسلے میں دوسری کتاب شائع ہوئی ہے۔ (دیکھیے فہرست ۸۷)۔ اس میں "مناقب" کے سارے مواد کو چار اہم حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(الف) نبی کریم سے پہلے نبیوں کی شان میں کہے ہوئے مناقبے

(ب) نبی کریم کی شان میں کہے ہوئے مناقبے

(ج) صحابہ کرام کی شان میں کہے ہوئے مناقبے

(د) ولیوں کی شان میں کہے ہوئے مناقبے

اس میں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کا لکھا ہوا معراج شریف، نور اور پیدائش حضور اکرمؐ کے مناقبے ہیں۔ مخدوم عبدالرؤف بھٹی کے مناقبے بھی درج ہیں۔

لوک ادب کے سلسلے میں اس کے علاوہ "معجزہ" (منظوم۔ فہرست نمبر ۸۸) "ڈیبہ اٹھرلوں" حصہ اول ودوم (منظوم فہرست ۸۹-۹۰)، "نڑجا بیت" (منظوم۔ فہرست ۹۲) اور "ڈوربیت" (منظوم۔ فہرست نمبر ۹۳) شائع ہوچکے ہیں اور ان کتابوں میں سندھ کے قدیم صوفی شعرا کا کلام ہے جس میں آنحضرتؐ کے معجزات کا بیان، مناجاتیں اور ولادت باسعادت کا ذکر وغیرہ منظوم لکھا گیا ہے۔ لوک ادب کے بارے میں ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی نگرانی میں کام ہو رہا ہے اور یہ سندھی کتابیں لوک ادب کی مذہبی نوعیت اور اسلامی تعلیمات وثقافت کے اثر کو اجاگر کرتی ہیں۔

سیرتِ رسول کریمؐ : یہ کتاب سیرتِ پاک پر مولوی محمد عثمان کھوڑواہی نے لکھی تھی اور یہ تصنیف چودھویں صدی کے اوائل کی ہے۔ یہ کتاب پتھو پر کوٹڑی سے شائع ہوئی، لیکن اب یہ مطبوعہ کتاب ناپید ہے۔

حیاۃ النبی : یہ کتاب نثر میں مولوی حکیم فتح محمد سیوہانی کی لکھی ہوئی ہے اور پہلی مرتبہ ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی۔ (ملاحظہ ہو فہرست ۴۶)

سندھی ہندوؤں پر سیرتِ پاک کا اثر : سندھی ہندوؤں پر بت پرستی غالب نہیں تھی وہ صوفی منش تھے اور ان کا عقیدہ سندھ کے اولیائے کرام کی عقیدت کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کے زیرِ اثر تھا۔ وہ سندھ کے تمام صوفی بزرگوں کی عزت کرتے تھے اور اسی عقیدت کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے نبی اکرمؐ کو منبع فیض وبخشش تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھی ہندوؤں نے سیرتِ پاک پر مفید کتابیں لکھیں جو آج بھی موجود ہیں۔

۱۔ محمد رسول اللہؐ عرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از لال چند امر ڈنومل جگتیانی (فہرست نمبر ۸)

۲۔ اسلام جو پیغمبر : ہوتچند ڈسنل مل جگتیانی (فہرست ۹)

۳۔ میر محمد عربی : امر لعل وسن مل ہنگورانی (فہرست نمبر ۱۰)

۴۔ پیغمبرِ اسلام : جیٹھ رام پرس رام گلراجانی (فہرست نمبر ۱۱)

ضلع لاڑکانہ سندھ کے مشہور مدرس مولوی محمد عظیم شیدا کی کتاب "سیرتِ مصطفیٰؐ" حال ہی میں سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے شائع کی ہے (فہرست ۱۴۳) اس کتاب پر حکومت پاکستان کی طرف سے فروری میں مؤلف کو دس ہزار روپیہ انعام بھی مل چکا ہے۔ اس کے علاوہ "سیرتِ پاک" پر جو کچھ سندھ میں عربی، فارسی اور سندھی میں ادبی ذخیرہ موجود ہے وہ اپنی دینی افادیت کے باعث خاص اہمیت رکھتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۷ سے)

والے وسائل پر متعلقہ ملکوں کا ہے ___ لہٰذا وہ اپنی سطح سے ___ جو یقیناً ترقی یافتہ ملکوں کی سطح سے نیچی ہوتی ہے۔ وہاں کے افراد اوپر کی طرف رخ کرتے ہیں۔

اجتماعیات کی سطح

اجتماعیات کی سطح سے مراد ملکوں کی سطح یا حکومتی سطح ہے۔ اس جاہلی نظام نے انفرادی سطح کے نصب العین معیارِ رہائش میں بلندی کو ہی نئے حدود اربعہ کے ساتھ اور مختلف شکل میں اجتماعیات کی سطح کا نصب العین قرار دیا ہے۔ اس کے تحت دنیا کے تمام ملکوں اور حکومتوں کا نصب العین یہ قرار دیا گیا کہ ایسی صورتحال برپا کی جائے اور قائم رکھی جائے جس میں پورے ملک کے اندر بحیثیت مجموعی ایک جانب سرمایہ اور کارکن قوت میں اضافہ کی شرحوں کے مابین اور دوسری جانب آبادی میں اضافہ میں ایسا تعلق ہو کہ فی کس پیداوار بڑھ رہی ہو۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۝

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

حضرت مولانا سید تصدق بخاری مدظلہ العالی

مروجہ مغربی تقویم ! ایک گناہ بے لذت

جس میں دنوں کے نام بھی دعوتِ شرک والحاد ہیں !

الحق کے گذشتہ پرچے میں ادارۃ العلم والتحقیق کے رکن جناب سید شبیر احمد کی عظیم تحقیقی کاوش بہ عنوان "اسلامی شمسی ہجری کیلنڈر" کو علمی اور تحقیقی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا اور قارئین کے خطوط موصول ہو رہے ہیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ عیسوی شمسی کیلنڈر ہر لحاظ سے مذموم اور دین و مذہب کی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ ہفتہ کے دنوں کے نام بھی دعوت شرک والحاد ہیں اسی سلسلہ میں بزرگ عالم دین اور محقق مصنف حضرت علامہ مولانا سید تصدق بخاری مدظلہ کی علمی اور تحقیقی کاوش نذر قارئین ہے ۔ (ادارہ)

پاکستان میں جاری شدہ مغربی تقویم ۔ WESTERN CALENDAR میں ہفتہ کے دنوں کے نام کفریہ و شرکیہ ہیں ۔ یہ ایسا بے لذت گناہ ہے جس کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ۔ اُردن وغیرہ اگر اپنے ملک میں یونین تقویم جاری رکھ سکتے ہیں اور چین اگر اپنی تقویم کو جانوروں کے نام پر جاری کر سکتا ہے تو ہم اس مشرکانہ کیلنڈر کی جگہ اسلامی کیلنڈر کیوں نہیں جاری کر سکتے ؟ مغربی ممالک کے لیے اگر اسی کو رہنے دیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے ؟ آخر سعودی عرب میں بھی اسلامی تقویم رائج ہے ۔ اور اس کی تجارت وسفارت میں کونسا نقصان ہوا یا اس کو کون سی دشواری پیش آئی ہے ؟ آج ہفتہ کے دنوں کے اسلامی اور غیر اسلامی ناموں کا تقابلی مطالعہ فرما کر خود ہی فیصلہ کیجیے کہ نصاریٰ و ہنود کی شرکیہ تقویم مسلمانوں کے لیے کتنی معیوب اور باعثِ عذاب ہے ۔ ایام ہفتہ کے معنے ملاحظہ فرمائیے ۔

۱۔ ایتوار ۔ دو لفظوں پر مشتمل ہے ۔ آیت اور وار ۔ آیت یعنی سورج ۔ وار بمعنی دن ۔ سورج کی پوجا کا دن ۔ انگریزی میں ایتوار ۔ کا ہم معنی دن سنڈے ہے ۔

SUNDAY ۔ یہ بھی دو لفظوں پر مشتمل ہے ۔

SUNDAY IS THE DAY SACRED TO THE SUN

سن اور ڈے SUN AND DAY ۔ سن یعنی سورج اور ڈے یعنی دن

یعنی سورج کی پوجا کا دن ۔ ہندو اور عیسائی اس دن چھٹی کر کے مخصوص عبادت کرتے ہیں ۔ ہندوستان میں ایک قوم اپنے آپ کو سورج بنسی یعنی سورج کی اولاد کہلاتی ہے اور ان کو بڑا معزز سمجھا جاتا ہے ۔ ہندو لوگ چڑھتے سورج اور ڈوبتے کی شعاعوں کے انفصال کو پوجتے ہیں اور اس کو سب

سے بڑا کارساز دیوتا سمجھتے ہیں۔ سنسکرت میں اتوار کو ادِت وار کہتے ہیں۔

۲۔ سوم وار: یہ بھی دو لفظوں سے بنا ہے۔ MONDAY۔ سوم۔ اور۔ وار۔ سوم۔ بمعنی چاند۔ اور۔ وار۔ بمعنی دن۔ یعنی چاند کی پوجا کا دن MONDAY TO THE MOON

ہندوؤں کا سوم ناتھ مندر مشہور ہے۔ جو کاٹھیاواڑ گجرات میں تھا جہاں قرامط اور ہندو مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ جسے اسی وجہ سے سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ نے اکھاڑ پھینکا تھا اور اس کا دروازہ لے جاکر غزنی میں نصب کر دیا تھا۔ یہ دروازہ ملحد ظاہر شاہ نے اپنے ہم کیش جواہر لعل نہرو کو واپس دے دیا تھا۔ پھر جس ظاہر شاہ نے ایک مسلمان فاتح کی یادگار دروازہ کو افغانستان سے نکال دیا تھا اُس ظاہر شاہ کو اللہ تعالےٰ نے ہمیشہ کے لیے افغانستان سے نکال کر اٹلی میں پھینک دیا۔

سومناتھ کے معنی بھی یاد کرتے چلئے۔ سوم۔ بمعنی چاند۔ اور سنسکرت میں ناتھ بمعنی خدا۔ آقا۔ یعنی چاند خدا۔ اس مندر میں چاند کی شکل بنا کر بلا کسی سہارے کے معلق کر رکھی تھی کیونکہ عرش و فرش اور در و دیوار میں برابر برابر مقناطیس لگا رکھا تھا اور چاند کو چہ طرف کی کشش نے درمیان میں تھام کر رکھا ہوا تھا اور پنڈت لوگ سادہ لوح ہندوؤں کو کہتے تھے کہ دیکھو چاند واقعی خدا ہے جو کسی سہارے کے بغیر کھڑا ہے۔

انگریزی میں سوموار کا ہم معنی لفظ منڈے ہے۔ اور MONDAY۔ بھی دو لفظوں سے بنا ہے۔ مون۔ اور۔ ڈے۔ مون بمعنی چاند۔ اور۔ ڈے۔ بمعنی دن۔ یعنی چاند کی پوجا کا دن یا چاند کا دن۔ ہندوستان میں ایک قوم اپنے آپ کو چندر بنسی یعنی چاند کی اولاد کہلاتی ہے۔ جس کو بڑا معزز خیال کیا جاتا ہے۔

۳۔ منگل وار! یہ بھی دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ منگل۔ اور۔ وار۔ منگل بمعنی سرسبز و شاداب۔ وار۔ بمعنی دن۔ یعنی سرسبز و شادابی کے دیوتا کی پوجا کا دن۔ قدیم یونانی سیارہ مریخ کو سرسبز و شادابی کا دیوتا مانتے تھے اور ہندوؤں کا آج بھی یہی عقیدہ ہے۔ ہندوؤں اور قدیم یونانیوں کے نزدیک مریخ کو پوجنے اور اس سے دعا مانگنے سے کسان کی زراعت خوب سرسبز و شاداب ہوتی ہے۔ اور قدیم رومن اسے کسان کی کشت کاری اور لڑائی کا دیوتا مانتے تھے۔ انگریزی میں مریخ کو مارز کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک یہ مقولہ چلا آرہا ہے کہ یہ تو جنگل میں منگل ہے۔

انگریزی میں منگل کو ٹیوز ڈے کہتے ہیں یہ بھی دو لفظوں سے بنا ہے۔ ٹیوز۔ اور۔ ڈے۔ ٹیوز بمعنی سیارہ مارز۔ اور ڈے بمعنی دن جسے ٹیو۔ بھی کہتے ہیں۔ یعنی ٹیوز دیوتا کی پوجا کا دن۔

TUESDAY - SACRED TO TIW OR MARS -
THE SON OF JUPITER AND JUNO -
THE ROMAN GOD OF WAR -

۴۔ بُدھ وار۔ یہ بھی دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ بدھ۔ اور۔ وار۔ بدھ بمعنی عقل و شعور کا دیوتا۔ اور
وار بمعنی دن۔ بُدھ ہندی میں عطارد سیارہ کو کہتے ہیں۔ یعنی عطارد (بدھ) کی پوجا کا دن جس پر بدھ دیوتا
مہربان ہو جائے وہ عقل و شعور کا مالک بن جاتا ہے۔
انگریزی میں بدھ وار کو ویڈنس ڈے کہتے ہیں۔ سکنڈے نیویا والے بھی اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔
ویڈنس ڈے۔ بھی دو لفظوں سے بنا ہے۔ ویڈنس۔ بمعنی وُوڈن دیوتا۔ اور ڈے۔ بمعنی دن۔
عطارد کو انگریزی میں مرکری اور ہندی میں بُدھ کہتے ہیں ہندو اس کو اب بھی پوجتے ہیں

WEDNES DAY TO THE CHIEF SCANDINAVIAN
GOD WODEN OR MERCURI -

۵۔ برہسپت۔ یہ وہ ہی سیارہ ہے جسے عربی میں مشتری۔ اور برجیس کہتے ہیں اور فارسی میں ہرمزد۔
قاضی فلک کہتے ہیں۔ ہم اس دن کو پنجشنبہ۔ یا۔ جمعرات کہتے ہیں اور سنسکرت میں دیبر وار۔ یعنی دیبر دیوتا
کی پوجا کا دن۔ برہسپت میں پت بمعنی مالک۔ خداوند۔ عشق و محبت کا دیوتا۔ انگریزی میں اس دن کو تھرس
ڈے کہتے ہیں یہ بھی دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ تھار۔ اور ڈے۔ یعنی تھار دیوتا کی پوجا کا دن۔

THURS DAY TO THE SCANDINAVIAN GOD THOR
WHO WAS WODEN SON OR JOVE -

اس کو۔ ۴۔ میں دیا گیا ووڈن دیوتا (خدا) کا بیٹا مانا جاتا رہا ہے اور مانتے ہیں۔
۶۔ فرائی ڈے۔ جسے ہم جمعہ کہتے ہیں اور فارسی میں آدینہ۔ ہندو، اسے شُکرّ وار کہتے ہیں ـــ
انگریزی میں فرائی ڈے۔ بھی دو لفظوں سے مرکب ہے۔ فرائی اور ڈے۔ فرائی بمعنی فریگا دیوی جو اوپر
بُدھ میں بتائے گئے وُوڈن خدا کی بیوی سمجھی جاتی ہے۔ اور ڈے بمعنی دن یعنی فریگا یا فریگ دیوی کی پوجا کا
دن۔ ہندو، اسے شُکرّ وار کہتے ہیں۔ ش مضموم اور ک مشدد دو لفظوں سے بنا ہے شکر۔ اور۔ وار۔
شکر بمعنی حسن و جمال اور خوبصورتی عطا کرنے والی دیوی جسے ہم زہرہ سیارہ کہتے ہیں۔ اور وار بمعنی دن
یعنی زہرہ یا شُکرّ دیوی کی پوجا کا دن۔ یاد رہے مغربی ممالک عیسائی ہونے سے پہلے ان سیاروں کو پوجتے
تھے اور بعض علاقوں میں اب بھی یہ تہوار منائے جاتے ہیں۔ ہندو تو مسلسل اس شرک میں غرق چلے آ رہے ہیں

یاد رہے کہ زہرہ کو انگریزی میں وینس کہتے ہیں۔ سنسکرت میں زہرہ سیارہ کو شکر کہتے ہیں۔ ہندی میں اسے سوک کہتے ہیں۔ ہندو اس کو دیوی ماننے کے باوجود اس کا سامنے ہونا منحوس بھی سمجھتے ہیں اور اس دن وہ کوئی نیک کام نہیں کرتے۔ رومیوں کی عشق و محبت کی دیوی۔ وڈن خدا کی بیوی۔

FRIDAY TO THE SCANDI NAVIAN GODDESS -
FRIGGAOR FRIGG WHO WAS WODFN WIFE OR JUNO
OR VENUS ROMAN MY THOLOGY GODDESS OF LOVE -
WIFE OF WODEN GOD -

سیکسن زبان میں زہرہ۔ وینس۔ شکر کو فریج ڈیگ، قدیم جرمنی میں فریا ٹاگ۔ نارویجین میں فرجا ڈیگ FRJA DAGR جرمن میں فریگا اور فریگ FRIGG - لاطینی میں وینرس ڈیز - VENRISDIES
سنسکرت میں شکر۔ عربی۔ اردو میں زہرہ۔

۷۔ سینچر وار۔ زحل سیارہ کو کہتے ہیں۔ ہم اس دن کو شنبہ اور ہفتہ کہتے ہیں۔ سینچر یعنی زحل دیوتا۔ اور۔ وار۔ بمعنی دن۔ یعنی سینچر دیوتا کی پوجا کا دن۔ سینچر وار کو انگریزی میں سیچر ڈے کہتے ہیں۔ یہ بھی دو لفظوں سے مرکب ہے سیچر اور ڈے۔ یعنی سیچرن دیوتا کی پوجا کا دن۔ انگریزی میں زحل سیارہ کو سیچرن کہا جاتا ہے۔ قدیم رومیوں نے اس دن کو زحل یعنی سیچرن دیوتا کی پوجا کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ اس لیے انہوں نے اس کو اس نام سے موسوم کر دیا۔ ہندو بھی اسے پوجتے تھے اور آج بھی پوجتے ہیں اس لیے وہ بھی اس دیوتا کی پوجا کے لیے مخصوص کردہ دن کو سینچر وار کہتے ہیں۔ ہندو سال میں ایک دفعہ اجتماعی طور پر اس سے اپنی شادابی و فراوانی کے لیے دعائیں مانگتے ہیں اور اس سالانہ تہوار کو وہ ستیہ گرھا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ رومن لوگ قدیم زمانہ میں اس کی پوجا کرتے تھے۔ آج بھی بعض رومی اور بعض بلادا لبیضان کے لوگ اس سالانہ تہوار کو سیچرنیٹیا کے نام سے منعقد کرتے ہیں

SATURDAY TO SATURN THE ROMAN GOD OF
AGRICULTURE SATURNATIA THE FESTIVEL OF SATURN —
AMONG THE ROMANS -

زحل یعنی سیچرن دیوتا کو زراعت کا دیوتا مانا جاتا ہے اور ہندو تو بڑی دھوم دھام سے زراعت کے اس دیوتا کے لیے ستیہ گرہا مناتے ہیں۔

اب غور سے ملاحظہ فرمائیے کہ صرف عربی ایک ایسی زبان ہے جس میں ایام ہفتہ کے نام شرک و کفر سے پاک ہیں۔

ولید بن عبدالملک

(ثقافتی کارنامے)

۹۶ھ (۷۱۵ء) میں ولید بن عبدالملک کا انتقال ہوا۔ نو برس آٹھ مہینے اس نے حکومت کی اور کوئی تینتالیس سال عمر پائی۔ ولید بڑے عالم باپ کا جاہل بیٹا تھا۔ عبدالملک کا شمار اپنے دور کے مشہور عالموں میں تھا۔ حضرت زید بن ثابت کے بعد وہ مدینہ کا قاضی بھی رہا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے انتقال سے پہلے لوگوں نے دریافت کیا۔ آپ کے بعد ہم دین کی باتیں کس سے پوچھیں؟ آپ نے فرمایا مروان کا بیٹا عبدالملک عالم ہے اس سے پوچھ لیا کرو۔

ولید کی پرورش بڑے لاڈ پیار میں ہوئی تھی اس لیے پڑھائی کی طرف اس کا دھیان نہ رہا۔ عبدالملک کو اس کا بڑا افسوس تھا۔ آخر عمر میں یہ افسوس اور بھی بڑھ گیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ دربار میں بڑا خاموش اور غمگین بیٹھا ہوا تھا۔ روح بن زنباغ نے پوچھا: خیریت ہے! امیرالمومنین آپ کس فکر میں ہیں؟ عبدالملک نے جواب دیا۔ سوچتا ہوں اپنے بعد کسے حکومت کے لیے مقرر کروں۔ روح نے کہا: ولید جو ہے۔ عبدالملک نے کہا: وہ صحیح گفتگو تک نہیں کر سکتا۔ ولید نے یہ سنا تو دن رات محنت میں لگ گیا اور پڑھنے لکھنے میں کچھ شُد بُد پیدا کرلی۔

ولید نے حکومت سنبھالی تو اسے اس بات کا بڑا احساس تھا کہ وہ پڑھا لکھا نہیں ہے اس لیے اس نے تعلیم کے پھیلانے میں بڑی دلچسپی لی۔ عالموں کے لیے تنخواہیں مقرر کیں۔ طالب علموں کو وظیفے دیئے۔ بہت سے مکتب کھلوائے۔ جو لوگ کلام اللہ حفظ کرلیتے انہیں خاص طور پر بڑی رقمیں انعام دیتا اور جو کلام اللہ نہ پڑھ سکیں انہیں دُرّے لگواتا۔

ایک بار اس کا ایک رشتہ دار ملنے آیا۔ کہنے لگا: آجکل میں سخت پریشان ہوں میری مدد کرو۔ ولید نے جواب میں کہا۔ بتاؤ کہ تمہاری مدد کیوں کی جائے؟ اس نے کہا اس لیے کہ میں تمہارا رشتہ دار ہوں۔ ولید نے کہا یہ بات ٹھیک ہے۔ مگر یہ بتاؤ کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے جواب دیا۔ مجھے تو قرآن پڑھنا بھی نہیں آتا۔ ولید کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ بولا، پڑھنا نہیں آتا، یہاں آؤ، ہاتھ میں بید تھی۔ وہ شخص

پاس آیا تو اس سے خوب پٹائی کی پھر اپنے ایک ملازم سے کہا۔ اسے ساتھ لے جاؤ۔ خبردار اس وقت تک نہ چھوڑنا جب تک یہ اچھی طرح قرآن پڑھنا سیکھ نہ لے! یاد رکھو، تاکید ہے۔

عثمان بن یزید بن خالد اس موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ اے امیر المومنین! میں بھی قرض دار ہوں کچھ مدد میری ہو سکے تو مہربانی ہوگی۔ ولید نے کہا، ہاں ضرور۔ اتاؤ کتنا قرآن یاد ہے؟ جواب دیا گیا سب یاد ہے آپ امتحان لے لیں۔ ولید نے کہا، اچھا! سورۂ انفال کی دس آیتیں سناؤ! عثمان نے سنا دیں۔ پھر بولا، سورۂ توبہ کی دس آیتیں سناؤ! انہوں نے یہ بھی سنا دیں تو بولا۔ تمہارا قرض میں ضرور ادا کروں گا اور اب تمہارا زیادہ خیال بھی رکھوں گا۔

علم کے معاملے میں تو خیر وہ باپ کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا لیکن سخاوت میں وہ باپ سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ مسجد نبویؐ، مسجد اقصیٰ اور جامع دمشق جاتا تو غریبوں کو اشرفیاں بانٹا کرتا۔ رمضان کے روزے برابر رکھتا۔ اس کے علاوہ ہر پیر اور جمعرات کو پابندی سے روزہ رہتا۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں۔ رمضان کے دنوں میں ہر روز ایک کلام پاک ختم کرنا اس کا معمول تھا۔ عام دنوں میں وہ تین روز میں ایک قرآن ختم کیا کرتا۔

مملکتِ اسلامیہ میں وہ پہلا فرمانروا ہے جس نے مفت علاج کے لیے دواخانے تعمیر کرائے۔ گداگری کا پیشہ بالکل بند کرا دیا۔ غریبوں کے لیے محتاج خانے کھولے۔ معذوروں کی خدمت کے لیے نوکر چاکر ملازم رکھے۔ یتیموں کے کھانے پینے اور پڑھائی کا خاص طور پر انتظام کیا۔ ان معاملات میں وہ ذاتی طور پر دلچسپی لیتا تھا۔ اس نے مسافروں کے لیے مسافر خانے بنوائے جہاں انہیں کھانا بھی تقسیم ہوا کرتا تھا۔ رمضان کے دنوں میں اس نے ہر مسجد میں سحری اور افطاری کا انتظام کر رکھا تھا۔

ملک کے نظم و نسق پر اس کی گہری نظر تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی وہ برابر کی دلچسپی لیتا۔ کہتا تھا، عوام کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ بازار میں چیزیں مناسب داموں پر ملیں۔ خود دوکانوں پہ جا کر بھاؤ معلوم کرتا۔ ایک ایک چیز اٹھا کر اس کی قیمت پوچھتا۔ سبزی ترکاری تک کی دوکانوں پر خود جاتا تھا۔ افسروں کو سخت تاکید تھی کہ شہر میں گشت لگاتے رہیں اور بازار کے تمام بھاؤ کی نگرانی کریں۔ خود ان کی نگرانی کیا کرتا تھا۔

ولید کا عہدِ حکومت دو باتوں کی وجہ سے بڑا ممتاز ہے۔ فتوحات اور تعمیرات کے لیے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے علاوہ تاریخ اسلام میں کسی اور حکمران کی فتوحات اس کے برابر نہیں۔ اس کے عہد میں سمرقند و بخارا فتح ہوا اور مسلمان ایک طرف چین کی سرحدوں میں پہنچ گئے۔ دوسری طرف سندھ اور اندلس فتح ہوا اور مشرق اور مغرب کے دور دراز گوشوں تک اسلام پھیلا۔ اس کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد تاریخ اسلام کے عظیم ترین سپہ سالاروں میں سے ہیں۔

تعمیرات کا اسے بے انتہا شوق تھا۔ سڑکیں، نہریں، کنویں، محتاج گھر، مکتب اور شفا خانے تو اس نے بہتیرے بنوائے تھے لیکن اس کی شاندار یادگار مسجدیں ہیں۔ حضور اکرمؐ کے روضۂ مبارک کے اطراف دوہری دیوار اسی نے بنوائی تھی۔ مسجدِ نبویؐ کی دوبارہ تعمیر میں اس نے غیر معمولی اہتمام کیا تھا۔ اسی طرح مسجدِ اقصیٰ کو اس نے بہتر بنانے کی کوشش کی۔ جامع دمشق کی تعمیر اس کا سب سے اعلیٰ تعمیری کارنامہ ہے۔

امیر معاویہؓ نے دمشق کی حکومت کا صدر مقام بنانے کے بعد یہاں اپنے لیے ایک محل تعمیر کیا۔ اس کا نام الخضرا تھا۔ بنو امیہ کے تمام حکمران یہیں رہتے تھے۔ ولید نے اس کے بازو جامع دمشق کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد شہر کے بیچوں بیچ واقع تھی۔ حکومت سنبھالتے ہی ولید کے ذہن میں یہ مسجد بنانے کا خیال آیا۔

عراق عرب اور عراق عجم کی فتح کے بعد ہی مسلمانوں نے جب دو نئے شہر کوفہ اور بصرہ آباد کیے تو ایران سے بہت سے راج مزدور کھنچ کر یہاں آنے لگے۔ حضرت عمرؓ کی زندگی میں عجمی معماروں کی ایک بڑی تعداد مدینے میں بھی آ بسی تھی۔ مدینہ کی شہری مملکت پھیلتی جا رہی تھی۔ خود حضور اکرمؐ کی زندگی ہی میں اس کے حدود اس قدر تیزی سے پھیل رہے تھے کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق مدینہ کی مملکت میں روزانہ ۲۷۴ مربع میل کا اضافہ ہو رہا تھا۔ حضورِ اکرمؐ کی وفات کے وقت مملکت کے حدود کا اندازہ دس لاکھ مربع میل کہا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ حدود اور بھی تیزی سے پھیلتے گئے۔ پھر حضرت عثمانؓ کے عہد سے لے کر ولید بن عبدالملک کے زمانے تک اس میں عظیم الشان اضافہ عمل میں آیا۔ ظاہر ہے کہ دولت کھنچ کر ملک میں آئی تو بہتر سے بہتر عمارتیں بننے لگیں۔ جب ولید نے جامع دمشق کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تو اس نے اپنی سلطنت کے ہر حصے سے بہترین راج مزدور، کاریگر اور عمارت ساز بلوائے۔ موجودہ مراکش اور الجزائر سے کام کرنے والے آئے۔ یہ انہی لوگوں کے بھائی بند تھے جنہوں نے حضرت عقبہ بن نافع کو قیروان بسانے اور وہاں کی شاندار مسجد تعمیر کرنے میں مدد دی تھی۔ اسکندریہ اور فسطاط سے بھی فن کار آئے تھے اور تعمیر کے لیے وہاں سے خاص قسم کا مصالحہ بھی آیا۔ اسی طرح ایران اور ہندوستان سے کام کرنے والوں کی بڑی تعداد آئی۔ بازنطینی طرزِ تعمیر کے ماہرین کو ولید نے قسطنطنیہ سے بلوایا۔ خیال ہے کہ کوئی بارہ ہزار معمار اور مختلف فنکار مسجد بنانے میں لگے رہے اور انہوں نے کوئی نو سال کے عرصہ میں اسے مکمل کیا۔ مسجد کی تعمیر اور آرائش پر جو خرچ آیا اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہمارے حساب سے کوئی چودہ کروڑ روپے کے لگ بھگ خرچ بیٹھا۔ کہتے ہیں شام کا سات برس کا خراج اس کی تعمیر میں صرف ہوا۔ ایک خیال ہے کہ اس زمانے میں چھپن لاکھ اشرفیاں خرچ ہوئیں۔

جس شان سے اس مسجد کی تعمیر کی گئی اس کا اندازہ شاید اس بات سے ہو سکے کہ صرف جزیرۂ قبرص

سے اٹھارہ جہازوں میں بھر کر چاندی اور سونا آیا تھا۔ تعمیر میں اعلیٰ سامان استعمال کرنے کی کوشش کی گئی۔ دوسرے درجے کی کسی چیز کو ہاتھ ہی نہیں لگایا گیا۔ جس جگہ کا سنگ مرمر مشہور تھا وہیں سے منگایا گیا۔ ایک اور قسم کا اعلیٰ درجے کا پتھر جو سماق کہلاتا تھا منتخب کانوں سے نکلوایا گیا۔ اسی طرح خاص نقاش اور معمار بھی اس کی طرف سے آئے تھے جن میں کچھ یونانی ماہر فن کار بھی تھے۔

مسجد کا نقشہ بنیادی طور پر مسجد نبوی کے نمونے پر ہی بنایا گیا تھا۔ لیکن یہ مسجد کچھ اور ہی چیز تھی۔ دیواریں سنگ مرمر اور سنگ رخام سے بنائی گئی تھیں۔ ستون سخت پتھر کے تھے۔ اس خوبی اور نفاست سے تراشے گئے تھے کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک ایک ستون پر کئی کئی سو اشرفی خرچ بیٹھا تھا۔ عمارت میں مختلف رنگ کے پتھر استعمال کئے گئے۔ بہترین محرابیں بنائی گئی تھیں اور انہیں بڑے دلکش طریقے سے سجایا گیا تھا۔ ان پر سونے کا پتر منڈھا ہوا تھا اور بیل بوٹوں میں قیمتی جواہرات لگے ہوئے تھے۔ در و دیوار پر اعلیٰ درجے کے سونے کے نقش اور لاجوردی کام کیا گیا تھا۔ چھت آبنوس اور شیشم کی طرح کی بہت قیمتی لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ چھت میں جو باریک اور نفیس کام کیا گیا تھا اسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ چھ سو فانوس سونے کی زنجیروں میں بندھے چھت پر لٹک رہے تھے اور ایک سے ایک بہتر طغرے محرابوں اور دیواروں پر لگے تھے۔

یہ وہ زمانہ ہے جب مسجد قرطبہ بنی نہ تھی نہ قصر زہرا تعمیر ہوا تھا نہ الحمرا۔ جامع دمشق سے مسلمانوں کی تعمیرات کا عظیم الشان دور شروع ہوا۔ اسلامی فن تعمیر کا یہ بہت اہم موڑ ہے۔ عمارت سازی میں مرصع کاری اور صناعی کا دخل یہیں سے شروع ہوا۔ اس مسجد میں تین مرتبہ آگ لگی۔ جامع دمشق کا اس وقت کی بہترین عمارتوں میں شمار ہوتا تھا اور دنیا کی عجیب و غریب عمارتوں میں اس کا پانچواں نمبر سمجھا جاتا تھا۔ دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ اسے دیکھنے آتے تھے۔ یہ مسجد سونے چاندی کے پتھروں سے جڑی ہوئی تھی۔ اور بے شمار جواہرات اس میں لگے تھے۔ خیال ہے کہ ایسی مرصع کاری اس دور کی کسی عبادت گاہ میں دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ کچھ دنوں بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز بر سر حکومت آئے تو انہیں یہ آرائش و زیبائش نامناسب معلوم ہوئی۔ دل ہی دل میں انہوں نے یہ طے کر لیا کہ مرصع کاری کا سب سامان نکلوا کر بیت المال میں داخل کرا دیں گے۔ اتفاق کی بات کہ اسی زمانے میں رومی سلطنت کے کچھ سفیر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ انہوں نے جامع دمشق کی بڑی تعریف سُنی تھی اسے دیکھنا چاہا۔ جب شاہی سفیر مسجد دیکھ کر نکلے اور دوبارہ امیر المومنین کی خدمت میں باریاب ہوئے تو مسجد کے حسن اور زیبائش سے اس درجہ متاثر تھے کہ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا عروج چند روزہ ہے لیکن اس مسجد کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مسلمان زندہ رہنے والی قوم ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ رائے سُنی تو اپنا خیال بدل دیا۔

حافظ محمد ظہور الحق ظہور

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

رونقِ بزمِ دو عالم، زینتِ دوراں ہے تو
محفلِ کون و مکاں میں شمعِ نور افشاں ہے تو

گلستانِ دہر میں جلوہ نمائی ہے تری
باغباں جس پر ہے نازاں، وہ گلِ خنداں ہے تو

چہرۂ حق سے اٹھایا تو نے باطل کا نقاب
مٹ گئے جس سے اندھیرے وہ مہِ تاباں ہے تو

جس کے آگے ہو گئے باطل کے پرچم سرنگوں
وہ علم بردارِ حق، وہ صاحبِ قرآں ہے تو

خارزاروں کو بنایا تو نے رشکِ گلستاں
تازگی بخشی دلوں کو جس نے، وہ باراں ہے تو

تو مزکیؐ، تو معلّمؐ، تو مبشّرؐ، تو نذیرؐ
تو سراجِ بزمِ وحدت، داعیِ ایماں ہے تو

ساقیِ کوثر، امین و صادق و فخر الرُّسل
حامد و احمدؐ، محمدؐ، سیدِ ذیشاں ہے تو

جس نے باطل کی غلامی سے دلائی ہے نجات
جس نے دنیا میں حقیقت کا کیا اعلان ہے تو

اہتمامِ بزمِ امکاں کا سبب تو ہی تو ہے
بارگاہِ کبریا کا محترم مہماں ہے تو

تیرا دامانِ شفاعت ہے پناہِ عاصیاں
دردمندانِ دو عالم کے لیے درماں ہے تو

الغرض، مخلوق میں جس کا کوئی ہمسر نہیں
وہ امام الانبیاءؐ، وہ نائبِ رحماں ہے تو

رحمتِ عالم کی صورت میں ہوا تیرا ظہور
ساری دنیا پر خدائے پاک کا احساں ہے تو!

جناب محمد برجیس کریمی

مستشرقین پر علمائے اسلام کی خدمات کا جائزہ

(۲)

اعزاز قرآن بجواب اعجاز القرآن	ناصر الدین ابو المنصور دہلوی	جلد اول مفید عام آگرہ ۱۹۱۰ء
اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام	مولوی چراغ علی ترجمہ: مولوی عبد الحق	جلد دوم رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور ۱۹۱۱ء ریورنڈ ملکم میکال کے اعتراضات کا جواب
افحام الخصام درجواب تنقیش الاسلام	ناصر الدین ابو المنصور دہلوی	نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۳ھ جان راجرس کے رسالہ تفتیش الاسلام کا جواب
انصاف لدفع الاختلاف	مولوی سلیم اللہ	بحوالہ قاموس الکتب اردو ج اول
انعام عام	ناصر الدین ابو المنصور دہلوی	مطبع فاروقی ۱۲۹۰ھ پادری رجب علی کے آئینہ اسلام کا جواب
	(ب)	
بائبل سے قرآن تک	شیخ اکبر سہارنپوری عثمانی	مجلد ۳ مطبوعہ پاکستان اب تک تین بار شائع ہوچکا ہے۔ ۱۳۶۸ھ میں مولانا تقی عثمانی نے اس پر ایک طویل مقدمہ لکھا ہے۔
براہین الہند المعروف بمباحثہ پونہ	شرف الحق	روداد مناظرہ پونہ ۱۸۹۳ء مابین مصنف و پادری جی اسمال
البحث الجلیل المعروف مباحثہ دہلی	مولوی شرف الحق	روداد مناظرہ مابین لارڈ بشپ لیفرائے ۱۸۹۰ء فتح پوری مسجد مطبوعہ مورننگ پریس (اردو انگیزی)
البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف	وزیر الدین بن شرف الدین	روداد مناظرہ کبری آگرہ طباعت عبداللہ مطبع اختر المطابع دہلی ۱۲۷۱ھ
براہین احمدیہ	غلام احمد قادیانی	مطبع سفیر ہند امرتسر
برید فرنگ	علامہ سید سلیمان ندوی	دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء
بشارت مثیل موسیٰ	مولوی چراغ علی	مفید عام آگرہ ۱۲۹۵ھ پادری عماد الدین کی کتاب ہدایۃ المسلمین کا رد

(پ)

کتاب	مصنف	کیفیت
پیغام محمدی	سید محمد علی مراد آبادی	جلد اوّل مطبع رحمانیہ محصوص پور ۱۳۱۱ھ پادری صفدر علی کے نیاز نامہ اور پادری ٹھاکر داس کے رسالہ عدم ضرورت قرآن کا جواب۔

(ت)

کتاب	مصنف	کیفیت
تائید الفرقان	محمد علی مراد آبادی	رسالہ مراۃ القرآن محبوب مسیح کا جواب
تاریخ یورپ	تھیچر، آلیو، شول فرڈیننڈ ترجمہ: عبدالماجد، نواب صدر یار جنگ قاضی تلمذ حسین	جامعہ عثمانیہ دکن ۱۹۳۲ء
تاریخ اندلس	اسکاٹ ایس پی۔ ترجمہ: محمد خلیل الرحمن	مطبوعہ لاہور
تاریخ تہذیب	کرین برنٹن۔ جان بی کرسٹوفر رابرٹ ای ولیف۔ ترجمہ: غلام رسول مہر	مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء
تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے تمدن عرب	مولانا الطاف حسین حالی گستاؤلیبان ترجمہ: سید علی بلگرامی	۱۸۷۲ء رسالہ اردو جولائی ۱۹۵۲ء مطبوعہ لاہور ۱۹۳۶ء
تائید المسلمین فی اثبات نبوت خاتم المرسلین	مولوی سید محمد صادق	مطبوعہ ۱۲۵۹ھ یہ پادریوں کے عام رسالوں کا جواب ہے۔
تذکرہ عالم	مولوی رحیم بخش	
تحفۃ البشر لاعلان کلمۃ البصیر المعروف دینی مناظرہ ہلمنکنڈا	مولانا شرف الحق ترتیب محمد علیم الدین	روداد مناظرہ ہلمنکنڈا
تشویش القسیس	ناصر الدین ابو المنصور دہلوی	رسالہ اصل وافزائش و زوال دین محمدی کا جواب
تخطیہ	نصرت علی	نصرت المطابع عبداللہ آتھم کی کتاب اندرونہ بائبل مرزخ قدیم کا جواب

کتاب	مصنف	کیفیت
تکمیل الادیان باحکام قرآن ملقب باکتبۃ الاسلام	محمد علی کانپوری	ردعیسویت پر جس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں اس میں ان کی تفصیلات ہیں
ترانۂ حجازی	محمد علی کانپوری	مطبع کوہ نور لاہور ۱۲۹۵ھ تعمیر طنبوری کا جواب۔
تزیین الکلام	عبدالرحمٰن	مظہر العجائب مدراس ۱۹۲۰ء اسلام پر کیے گئے اعتراضات کا جواب۔
تحریف القرآن کا جواب	غلام دستگیر ہاشمی قصوری	۱۸۹۱ء ماسٹر رامچند کے رسالہ تحریف القرآن کا جواب۔
تعلیم محمدی	مولانا اکرام اللہ گوپاموی اکبرآبادی	پادری عماد الدین کی کتاب تعلیم محمدی کا جواب۔
تنبیہ المنافقین فی جواب امہات المومنین		مطبع دہلی ۱۳۱۶ھ
تعلیقات	مولوی چراغ علی	مطبع صادق لکھنؤ ۱۸۷۲ء پادری عماد الدین کی کتاب تاریخ محمدی کا جواب
تنزیہ الفرقان	سید محمد بھرت پوری	مفید عام آگرہ ۱۸۷۷ء پادری عماد الدین کے قرآن پر اعتراضات کا جواب
[illegible]یب القرآن	مولوی عبدالحق دہلوی	مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۹۵ھ ماسٹر رام چندر کے رسالہ تحریف القرآن کا جواب
تعلیم القرآن اور عمل یورپ	شمس الدین	فیض عام پریس علی گڑھ ۱۹۳۹ء
تحقیق جہاد	مولوی چراغ علی ترجمہ: غلام حسنین	رفاہ عام پریس لاہور ۱۹۲۰ء
تحقیق المماثلۃ فی النبوۃ والرسالۃ	قاضی شاہ سرفراز علی جہانپوری	بحوالہ قاموس کتب اردو ج اول
ترجمۂ اظہار الحق (گجراتی)	غلام محمد الراندیری بن حافظ صادق	دیش مینر سورت ۱۹۱۸ء
	(ج)	
جواب امہات المومنین	سرسید احمد خاں	تجارتی پریس علی گڑھ۔ ڈاکٹر احمد شاہ شائق (عباتی) کی کتاب امہات المومنین کا جواب

کتاب	مصنف	تفصیل
الجہاد فی الاسلام	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ بار چہارم ۱۹۶۲ء
جواب محمدیہ	اکرام شاہجہان آبادی	۱۲۲۵ھ میں مدارس کے ایک پادری نے ایک رسالہ عیسوی لکھا جو نعمت علی ساکن بھملا اعظم گڑھ کے سوالات کا جواب تھا جس کا یہ جواب الجواب ہے۔
جائزہ تراجم قرآنی	ترتیب: محمد سالم قاسمی رسید عبدالرؤف عالی۔ سید محبوب رضوی	ناشر مجلس معارف القرآن دارالعلوم دیوبند۔ مطبوعہ نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند ۱۹۶۸ء
	(ح)	
حیات محمدؐ	محمد حسین ہیکل مصری۔ ترجمہ: ابویحیٰ امام خاں نوشہری	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۵ء
حجۃ الاسلام	مولانا محمد قاسم نانوتوی	مطبع فاروقی دہلی
حرز جاں	ناصر الدین المنصور دہلوی	نصرت المطابع دہلی۔ عبداللہ آتھم کے رسالہ اصلیت قرآن کا جواب
الحق المبین بجواب امہات المومنین		افضل المطابع مرادآباد۔ ڈاکٹر احمد شاہ شائق کی کتاب امہات المومنین کا جواب
حقیقت الایقان		اسلام پر عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب اور تحقیق الایمان پادری صفدر علی کا جواب (بحوالہ قاموس کتب اردو)
حیدرآباد میں خدمت دین	مولانا شرف الحق	۱۸۹۲ء روداد مناظرہ مابین مصنف و پادری ایم جی گولڈ اسمتھ حیدرآباد
	(خ)	
الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ	ڈاکٹر سر سید احمد خاں	مجلد ۱ ص ۵۲۔ مطبوعہ نول کشور اسٹیم پریس لاہور ۱۸۸۷ء
خط پادری فنڈر کے نام	مفتی نور...	مطبع النور آگرہ ۱۸۵۵ء

خلاصہ صولۃ الضیغم علی اعداء ابن مریم	مولوی عباس علی بن ناصر علی فضل اللہ فاروقی جاجموی	مطبع سنگین ۱۲۵۸ھ یہ کتاب اسلام پر عیسائیوں کے عمومی اعتراضات کا جواب ہے
خطوط	ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی	مطبع نور افشاں آگرہ ۱۸۵۶ء ڈاکٹر فنڈر اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے مابین مناظرہ کی تفصیل
	(د)	
دافع الاسقام ترجمہ ازالۃ الاوہام	شیخ نور محمد	
دعوت الاسلام	یوسف صالح راندیری	نصرت المطابع دہلی ۱۳۰۲ھ عیسائیوں
دفع التعلیقات	محمد علی کانپوری	مطبع نامی کانپور ۱۲۷۲ھ پہلے حصہ میں پادری عماد الدین کی کتاب تعلیقات کا جواب ہے دوسرا حصہ تواریخ محمدی کا جواب ہے۔
دفع البلیات	محمد علی مونگیری	مطبع نامی کانپور ۱۳۰۲ھ پادری عماد الدین کی تصانیف کا جواب۔
	(ر)	
رجم الشیاطین	ولی اللہ لاہوری	ہدایت المسلمین کا جواب
رد مطلوب فی جواب المحبوب	مولوی عبدالعزیز	مطبوعہ ۱۸۷۱ء محبوب خاں عیسائی کے اعتراضات کا جواب
رسالۃ اثبات شفاعت نبی اکرمؐ	عبدالعزیز	مطبع انوری مدراس ۱۳۱۰ھ ریورنڈ گولڈ اسمتھ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق غلط خیالات کی تردید۔
رسالہ تائید اسلام	حسن علی	نظامی پریس کانپور۔ اسلام پر عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب
رسالہ مراسلات مذہبی	محمد علی کانپوری	رد عیسائیت پر جس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں اس میں ان کی تفصیلات ہیں

رقیم الوارد	ناصرالدین ابوالمنصور دہلوی	نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۷ھ نیاز نامہ پادری صفدر کی کتاب کا جواب
	(س)	
سبیل نجات	ناصرالدین ابوالمنصور دہلوی	پادری فنڈر کے طریق الحیات کا جواب
سوط اللہ الجبار	مولانا محمد علی کانپوری	پادری رینڈری کا جواب
سیرت رسول اللہ	پروفیسر سید نواب علی	مطبوعہ مکتبہ افکار کراچی ۱۹۴۳ء بار اول
سیرت نبوی اور مستشرقین	ولہاوزن ترجمہ عبدالعلیم احراری	جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ۱۹۲۹ء
سیرت محمدیہ	مرزا حیات دہلوی	
السیف الندی عن معذرات الکندی	عبداللہ (عربی اردو)	معذرات الکندی (عربی) لندن سے ہندوستان بھیجا گیا اس کا جواب
	(ش)	
شق القمر لمعجزۃ سید البشر	مولوی عبداللہ	مفید عام آگرہ
شہاب الاسلام موسومہ کتاب نیاز	محمد علی مونگیری	پادری صفدر علی کی کتاب نیاز نامہ اور ٹھاکر داس کی کتاب عدم ضرورت قرآن کا جواب۔
شہادت النبیین رسالۃ المرسلین	مولانا محمد علی مراد آبادی	پادری رجب علی کے رسالہ شریف نسبتیں کا جواب۔
	(ص)	
صداقت قرآنی از کتب ربانی	مولوی سلیم اللہ	سر ولیم میور کے رسالہ شہادتِ قرآنی کا جواب ہے۔
صیانت الانسان فی رد تحقیق الایمان	ولی اللہ لاہوری	پادری عماد الدین کی کتاب تحقیق الایمان کا جواب۔
	(ض)	
ضیاء النورین	نصرت علی	نصرت المطابع ٹھاکر داس کے

		رسالہ المسیح والمحمد کا جواب
	(ظ)	
ظفر مبین	محمد علی کانپوری	مسٹر اینڈرس کے ایک اعتراض کا جواب
	(ع)	
عصمت الانبیاء	غلام نبی امرتسری	مطبع ریاض ہند۔ نبی معصوم کا جواب
عقوبت الضالین	امام الدین وابوالمنصور	بحوالہ قاموس کتب اُردو۔ ہدایت المسلمین کا جواب
علمائے یورپ اور اسلام	مولانا مظہر الدین	بحوالہ قاموس کتب اُردو
	(غ)	
غایۃ الشور الحج المبرور	مولانا محمد شاہ لکھنوی	نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۰ھ حج پر عیسائیوں کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کا جواب
	(ف)	
فرنگیوں کا جال	امداد صابری	امداد صابری پبلشر چوڑی والان دہلی ۱۹۴۹ء مطبوعہ فاروقی پریس دہلی۔
فضائل الاسلام فی ذکر خیر الانام المعروف بتاریخ محمدی	مولوی فیروز الدین ڈسکوری	پادری عماد الدین کی تاریخ محمدی کا جواب۔
فصل الخطاب لمقدمۃ اہل الکتاب	حکیم نور الدین قادیانی	مجتبائی پریس دہلی ۱۳۰۵ھ عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب۔
فیض المعظم	مولانا محمد شاہ لکھنوی	مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۴ھ عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب
	(ک)	
کشف الاوہام	محمد علی مراد آبادی	محبوب مسیح کی کتاب تحفۃ العوام کا جواب ہے۔
کشف الحقیقت جواب رجوع المومنین	مولانا محمد محمود	مطبع کلیمی دہلی
کشف، الاستار	الشیخ ہادی علی	ڈاکٹر فنڈر کی کتاب مفتاح الاسرار کا جواب

	(گ)	
گفتگوئے مذہبی	محمد قاسم	مطبع عیسائی میرٹھ ۱۲۹۳ھ روداد گفتگو مابین مصنف و پادری نولس میلہ خدا شناسی واقع شاہجہانپور
	(ق)	
قرآن اور مستشرقین	محمد جرجیس کریمی	غیر مطبوعہ۔ ادارہ تحقیق و تصنیف علی گڑھ ۱۹۹۲ء
القول المتین فی جواب امہات المومنین	ڈاکٹر صادق علی	۱۳۰۶ھ راولپنڈی احمد شاہ شائق عیسائی کی کتاب امہات المومنین کا جواب
القول الصحیح فی رد المحمد والمسیح	شاہ غوث علی گورکھپوری	اخبار لطیف گورکھپور ۱۳۰۰ھ ٹھاکرداس کی کتاب المسیح والمحمد کا جواب۔
القول المتین فی جواب ہفوات المسلمین	مولوی محمد غوث	امیر المطابع آگرہ
	(ل)	
لحن داؤدی	علی محمد لکھنوی	مطبع حسینی لکھنؤ، پادری عماد الدین کی کتاب نغمۂ طنبوری کا جواب۔
	(م)	
مباحثہ مذہبی	سید عبداللہ اکبر آبادی	مطبوعہ آگرہ ۱۲۷۰ھ (روداد مناظرہ کبریٰ رحمت اللہ و فنڈر)
مخرج عقائد نوری	غلام دستگیر ہاشمی قصوری	مطبع سوسائٹی بریلی ۱۸۸۰ء نغمۂ طنبوری کا جواب
مدار الحق	محمد شاہ پنجابی	مطبوعہ دہلی ۱۸۶۳ء معیار حق کا جواب
مرصوم نبیٔ معصوم	ناصر الدین ابو المنصور دہلوی	نبی معصوم کا جواب
مرقع اناجیل		کتب خانہ اسلامیہ امرتسر۔ امہات المومنین کا جواب۔ ۱۸۷۳ء
مراسلات پادری فنڈر و مولوی سید آل حسن		

کتاب	مصنف	کیفیت
مراسلات مذہبی	الشیخ مولا بخش چودھری کانپوری	روداد مناظرہ ۱۸۸۶ء مابین مصنف و پادری فنڈر مطبوعہ نامی پریس کانپور ۱۱۶ء
مراسلات مذہبی (فارسی)	سید عبداللہ اکبر آبادی	روداد مناظرہ (رحمت و فنڈر)
مصباح الابرار	ناصر الدین ابوالمنصور دہلوی	نصرت المطابع دہلی پادری فنڈر کی کتاب مفتاح الاسرار کا جواب
معدل اعوجاج المیزان	مولانا رحمت اللہ کیرانوی	غیر مطبوعہ اس کا مخطوطہ موجود ہے دیکھئے ڈاکٹر محمد احمد محمد عبدالقادر خلیل ملکاوی کا ایڈٹ شدہ اظہار الحق کا مقدمہ۔
معیار التحقیق	مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ	پادری صفدر علی کی کتاب تحقیق الایمان کا جواب۔
معیار الحق	سید امداد امام عظیم آبادی	یونین پریس بانکی پور ۱۳۰۸ھ حضرت زینب کے نکاح پر اعتراضات کا جواب
معجزات محمدیہ	مولوی غلام نبی	مطبع ریاض ہند امرتسر ۱۸۸۵ء
مقابلہ اسلام اور یورپ	ظفر خاں	بحوالہ قاموس کتب اردو
مناظرہ پونہ موسومہ براہین الہدیۃ المعروف لمباحثہ پونہ	مولانا شرف الحق دہلوی	اکمل المطابع دہلی ۱۸۹۳ء مصنف موصوف اور پادری جی اسمال کے مابین ہوئے مناظرہ کی روداد
منظوم الکلام	مرزا اسد علی	مطبع عزیز حیدر آباد دکن روداد مناظرہ مابین مصنف و پادری اسمتھ
مناظرہ غازی پور	مولانا شرف الحق	روداد مناظرہ غازی پور مصنف و پادری ال پٹرک ۱۸۸۵ء
منشور محمدی		
	(ن)	
نظام اسلامی مشاہیر اسلام کی نظر میں	ترجمہ و ترتیب خلیل حامدی	اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۳ء
نظریات سیاسیہ	ڈننگ، ترجمہ: قاضی تلمذ حسین	دکن ۱۹۲۲ء

النسب معروف بہ تحقیقات محمدی	مولانا فخر الدین نقوی	مطبع کریمی مدراس ۱۳۲۶ھ پادری اور کنائیں جی گولڈ اسمتھ کے اعتراضات کا جواب۔
نور محمدی	مرزا مواحد جالندھری	مطبع بحر الاسلام بنگلور۔ پادری رجب علی کے رسالہ شریف نسبتیں کا جواب۔
نوید جاوید	ناصر الدین محمود	نور محمد تاجر کتب دہلی ۱۲۹۶ھ اسلام پر کیے گئے اعتراضات کا جواب

(ی)

یورپ اور اسلام	مولانا عبد القیوم ندوی	اشاعت منزل لاہور
یورپ اور قرآن	چراغ علی اعظم یار جنگ	دفتر وکیل امرتسر ۱۹۰۸ء نولکشور اسٹیم پریس لاہور ۱۹۱۰ء

اردو مقالات

(آ)

آنحضرتؐ کی نسبت بعض عیسائیوں کی رائے۔	مولوی علی شبیر	نقوش رسولؐ لاہور جنوری ۱۹۸۳ء
اشاعت اسلام پر ایک جرمن کا لکچر	سید سلیمان ندوی	الندوہ دسمبر ۱۹۱۱ء
اساطیر الاولین	سید سلیمان ندوی	الہلال کلکتہ ۱۵ / اپریل ۱۹۱۳ء
ابو طالب کی کفالت اور برتاؤ	علامہ شبلی نعمانی	سیرۃ النبی اوّل ص ۱۲۸ - ۱۲۹
اسلام کی معاشرتی زندگی مستشرقین کی نظر میں	ڈاکٹر عبد الوہاب ابو حدیبہ ترجمہ: عمیر الصدیق ندوی	معارف جلد ۱۳۹ عدد ۶ جون ۱۹۸۷ء - ۴۰۵ - ۴۲۴
اندلس کا اسلامی تمدن مستشرقین کی نظر میں	ڈاکٹر مصطفیٰ الشکعة ترجمہ: محمد عارف اعظمی عمری	معارف جلد ۱۴۱ عدد ۳، ۴ مارچ، اپریل ۱۹۸۸ء ۱۶۵ - ۸۱
اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر ایک سرسری نظر	مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی ترجمہ: عبید اللہ کوٹی ندوی	سلسلۂ اسلام اور مستشرقین دار المصنفین، اعظم گڑھ
اسلام اور مستشرقین	پروفیسر سید حبیب الحق ندوی ڈربن	معارف جلد ۱۲۱ عدد ۵، ۶
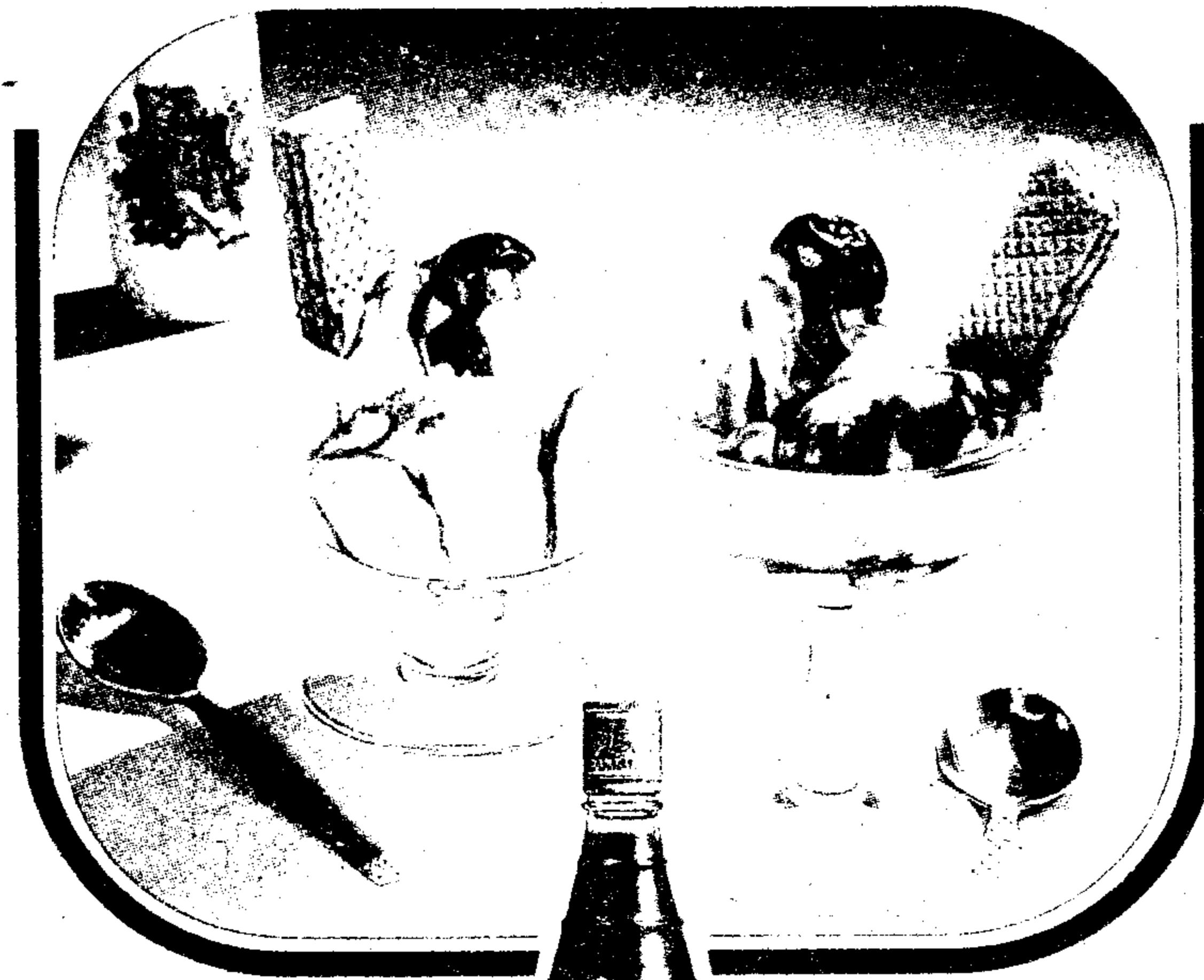
مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف تبصرۂ کتب
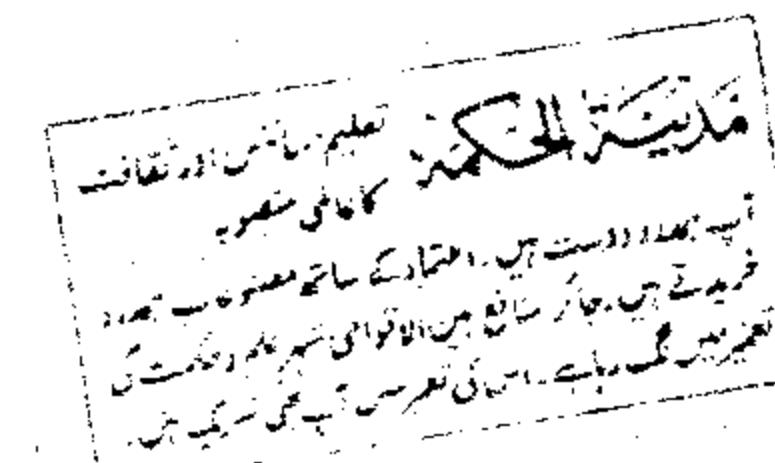
نالۂ زار

مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی جامعہ حقانیہ کے مدرس کئی کتابوں کے مصنف اور علم و ادب میں بصیرت اور نثر و نظم پر یکساں قدرت رکھتے ہیں وہ علمی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں علم و ادب اور شعری ذوق انہیں ورثے میں ملا ہے شعریت اور ادبیت ان کو قدرت نے عطا کی ہے ادبی حلقوں میں خاصے متعارف ہیں ان کا منجھا ہوا قلم شعر ادب کی نزاکتوں کا مصور و عکاس ہے پھر اللہ کا مزید فضل و احسان یہ ہے کہ ان کا قلم دین کی خدمت میں لگا ہوا ہے علمی و دینی کتابوں کے شروح و حواشی اور تاریخ و سوانح ان کے خاص موضوع ہیں موصوف حساس اور درد شناس دل رکھتے ہیں نالہ زار اسی کا عکس جمیل ہے ان کا انداز فکر و بیان مصلحانہ ہے۔

کتاب کے آغاز میں پروفیسر محمد افضل رضا صاحب کا حرفے چند، لطف قند ہے لکھتے ہیں ”فانی صاحب جن کی مادری زبان پشتو ہے، جہاں فارسی عربی زبانوں پر دسترس رکھتے ہیں وہاں اردو میں بھی وہ نہایت روانی اور آسانی سے شگفتہ انداز میں وارداتِ قلبی اور معاملاتِ حسن و عشق احساس محرومی، غم جاناں اور غم دوراں کو سپرد قلم کر سکتے ہیں، ص۹ پر محسن احسان صاحب کے کتاب سے متعلق تعارف کے بعد ص۱۳ پر جناب سراج الاسلام صاحب کا پیش لفظ ہے گیارہ صفحات کا یہ نالۂ زار پر جاندار تبصرہ و تعارف اور انتخاب میں بڑی عمدگی اور سلیقہ مندی کی تحریر ہے ص۲۱ پر فانی صاحب نے حدیث دل میں دل کی باتیں لکھدی ہیں۔ نالہ زار میں حمد و نعت کے علاوہ نظم غزل، تضمین قصیدہ، مرثیہ سہرہ، پند و نصیحت اور عصر حاضر کے مسائل پر اظہار خیال پایا جاتا ہے، عالم اسلام کی فریاد بابری مسجد کی شہادت، وادی کشمیر، بوسنیا میں مسلمانوں پر مظالم، اکابر اساتذہ پہ مرثیے، شان صحابہؓ، شہدائے بالاکوٹ کے عنوانات کے علاوہ غزلیں اور دیگر اہم عنوانات الغرض ایک دلچسپ ادبی تحفہ ہے۔

بطور نمونہ ”فریاد ہے“ کے عنوان سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

لٹ رہا ہے عالم اسلام یوں فریاد ہے	کیسی آئی گردش ایام یوں فریاد ہے
مجلس اقوام امریکہ کی تابع بن گئی	سو گئی ہے غیرتِ اقوام یوں فریاد ہے
چار سو دنیا میں ہے مسلم خدایا خستہ حال	ہر جگہ رسوا ہے اور بدنام یوں فریاد ہے
مرغزاروں، لالہ زاروں، مرغزاروں کی زمین	جل رہی ہے ہم کریں آرام یوں فریاد ہے

۱۴۰ صفحات کی یہ کتاب ادارۃ العلم والتحقیق دارالعلوم حقانیہ نے عمدہ کاغذ، شاندار اور جاذب نظر ٹائیٹل پر شائع کی ہے قیمت ۴۵ روپے۔

حیات مفتی اعظمؒ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان تھے جید عالم عظیم روحانی عربی، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل، فقیہ النفس اور دار العلوم کراچی کے بانی و مہتمم تھے ان کی تمام زندگی خدمت علم دین، مطالعہ و تحقیق، اصلاح و تربیت، تعلیم و تبلیغ، جہاد و غلبہ دین اور قرآن و سنت کی اشاعت میں گزری ان کے انتقال کے بعد ماہنامہ البلاغ نے ان کی حیات و کارناموں پر ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جس کے لیے ملک و بیرون ملک کے اساطین علم نے مقالے اور مضامین تحریر فرمائے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ (جو مرحوم کے بڑے صاحبزادے اور دار العلوم کراچی کے مہتمم ہیں) نے مختصر مگر جامع سوانح تحریر فرمائی جو گویا خصوصی نمبر کا متن ہے جسے اب علیحدہ کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے اختصار کے باوجود انہوں نے حضرت کی سیرت و سوانح کے تمام ابواب اور نافع گوشوں کا احاطہ کیا ہے انداز تحریر شستہ، سلیس، اور دلنشین ہے روانی اور تحریر کی تاثیر اتنی کہ ایک مجلس میں کتاب مکمل کئے بغیر دوسرے کام میں جی ہی نہیں لگتا۔ کمپیوٹر کتابت کاغذ عمدہ جلد بندی مضبوط، ٹائیٹل جاذب نظر، صفحات ۱۷۵، ۸۷ روپے میں ادارۃ المعارف کراچی ۱۴ سے دستیاب ہے۔

گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کے اسباب

جناب حامد ابراہیم احمد اور محمد حسین العقبی کی عربی تصنیف کفارات الخطایا و موجبات المغفرۃ کا اردو ترجمہ ہے مولانا حبیب الرحمن ہاشمی اعظمی کے مترجم ہیں آغاز میں حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ (خیر المدارس ملتان) کی تقریظ ہے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب کی بندگی کریں اور گناہوں سے اجتناب کریں خواہ وہ قلب و دماغ کے گناہ ہوں ہاتھ اور پاؤں کے گناہ ہوں، آنکھ کان اور زبان کے گناہ ہوں مگر انسان کے شہوات اور رذائل میں ابتلاء کی وجہ سے اس سے بہر حال گناہ سرزد ہوتے ہی رہتے ہیں جو رب کی ناراضگی کا باعث بنتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے توبہ و استغفار کے دروازے کھول دیئے ہیں اور ایسے اعمال مقرر فرما دیے جو کفارہ سیئات بن جاتے ہیں زیر تبصرہ کتاب کا موضوع ایسے ہی اعمال ہیں جو گناہوں کو مٹا کر اللہ تعالیٰ کی بخشش و مغفرت کا موجب بنتے ہیں کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب میں الگ الگ قسم کے اعمال و اذکار وغیرہ کا ذکر ہے جو گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں مثلاً مصائب و تکالیف افکار و ہموم، نماز روزہ، صدقہ و خیرات، توبہ استغفار اور عمدہ اخلاق وغیرہ مؤلف نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ سے منقول متعدد احادیث مبارک کو جمع فرما دیا ہے مترجم نے تحقیق اور جانفشانی سے اسے سلیس اردو ترجمہ میں منتقل کر دیا ہے غالباً یہ مولانا ہاشمی کا نقش اول ہے جو خوب تر ہے خدا کرے کہ وہ مستقبل میں اس سے بھی عمدہ ترین علمی کاوشیں منظر عام پر لاسکیں صفحات ۲۶۶ عمدہ

کتابت خوبصورت ٹائیٹل د۱۲ روپے ہیں عثمانی کتب خانہ اشرف روڈ ملتان سے دستیاب ہے۔

پیارے نبیؐ کی پیاری سنتیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے محسن، ان کی تعلیمات ہدایت کی ضمانت اور آپؐ کے اعمال پوری انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں ایک مسلمان کے شب و روز تب ہی مستحسن، کامیاب اور بارگاہ خداوندی میں مقبول اور معیاری زندگی قرار دیئے جاسکتے ہیں جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کے اعمال و اذکار سے مزین ہوں پیارے نبی کی پیاری سنتیں جب مسلمانوں کی زندگی میں آئیں گی تو زندگی خدا کو پیاری ہو جائے گی حضرت مولانا محمد نعیم اللہ فاروقی کا مرتب کردہ یہ مختصر مگر جامع رسالہ اس سلسلۂ رشد و ہدایت کی تبلیغ ہے ۱۰۷ صفحات پر مشتمل جیبی سائز کا یہ روحانی تحفہ ہر مسلمان کے پاس ہونا چاہیئے عنوان ہی کتاب کا تعارف ہے یہ کتابچہ ۱۰ روپے میں خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ مسجد زینب بند روڈ لاہور ۲۵ سے طلب کیا جاسکتا ہے۔

میمن اسلامک پبلشرز کے مختصر رسائل

میمن اسلامک پبلشرز کی جانب سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے مختصر کتابچے بھی موصول ہوئے ہیں پینے کے آداب، کھانے کے آداب، ڈاڑھی (از مولانا عاشق الٰہی صاحب) لباس کے شرعی اصول، عورت کی سربراہی (مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی) سستی کا علاج چستی، مغربی خواتین میں اسلام کا رجحان، تواضع، حسد، خواب کی شرعی حیثیت دعوت کے آداب، میرے مرشد حضرت عارفی (مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی)، طباعت و اشاعت کا یہ طریق کار بے حد عمدہ ہے کم قیمت، کم حجم، ایک ہی نشست میں مطالعہ مکمل، طباعت شاندار ملنے کا پتہ
: میمن اسلامک پبلشرز ۱/۱۹۰ لیاقت آباد کراچی ۱۹۔

قرارداد مقاصد بنام سپریم کورٹ پاکستان

قرارداد مقاصد پاکستان کی نظریاتی اساس ہے مگر ہمارے حکمران اور سیاست دان مغربی فلسفۂ سیاست اور اسلامی نظام حیات میں سے کسی ایک کے دوٹوک انتخاب کرنے کا حوصلہ نہیں کرپاتے ان کی یہی بے حوصلگی ملک کے اجتماعی نظام کے تمام تر بگاڑ کا اصل سبب ہے، اعلیٰ عدالتوں میں ہونے والے مباحث بھی اسی ذہنی کشمکش کے آئینہ دار ہیں، سردار شیر عالم ایڈووکیٹ نے زیر تبصرہ مقالہ میں انتہائی حزم و احتیاط اور مستحکم استدلال کے ساتھ اسی فکری الجھاؤ کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ چودھری محمد یوسف ایڈووکیٹ نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ نے پیش لفظ لکھ کر مقالہ کی اہمیت کو دوبالا کر دیا ہے، قارئین دو روپے کی ڈاک ٹکٹ بھیج کر مفت منگوا سکتے ہیں۔ صفحات ۴۸۔
ملنے کا پتہ :۔ الشریعہ اکیڈمی مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ۔

REGD. NO. P_90

حضرت علی ابنِ ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔
"جب میری اُمّت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی"۔
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟" فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔
- امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جُرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مُطیع ہو جائے۔
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظُلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی بُرائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔
- مرد ابریشم پہنیں۔
- آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سُرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی۔ باب علامات الساعۃ)